شینا لوک ادب

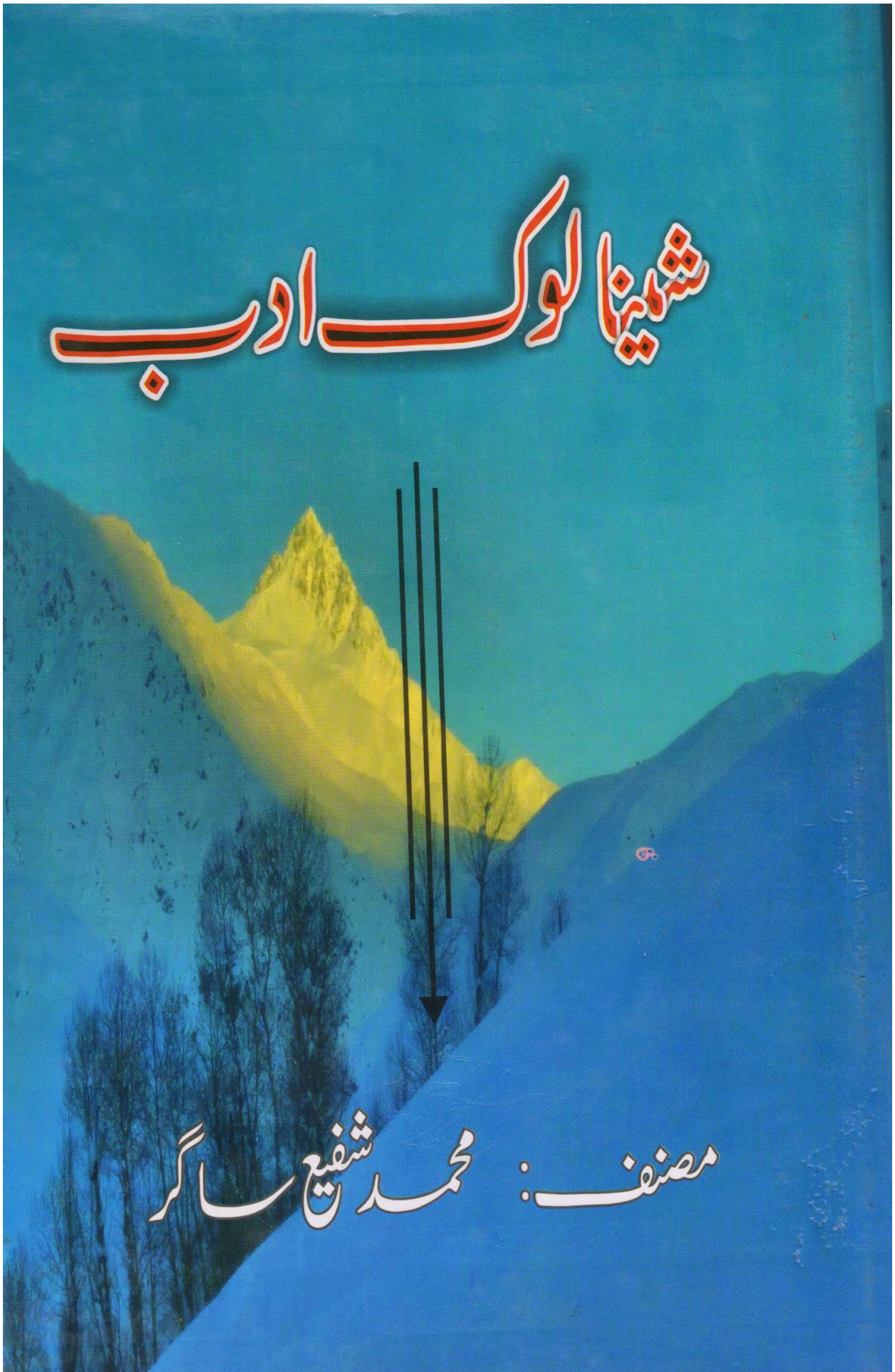

مصنف: محمد شفیع ساگر

محمد شفیع ساگر صاحب کا تعلق ضلع کرگل کے علاقہ دراس سے ہے۔ شفیع صاحب پچھلی کئی دہائیوں سے شینا زبان و ادب سے وابسطہ رہے ہیں ۔ آپ ایک خدا داد صلاحیت کے مالک ہیں ۔ آپ کا شمار شینا زبان کے اچھے شعراء وادباء میں ہوتا ہے۔ آپ نے صحافت کے میدان میں بھی ایک اعلیٰ مقام حاصل کیا ہے ۔ آپ کی یہ کتاب 'شینا لوک ادب' اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے ۔ جس میں آپ نے علاقہ دراس اور قرب وجوار کے قدیم لوک گیتوں کو تحریری شکل فراہم کرنے کی کوشش کی ہے ۔ جس میں آپ کامیاب بھی ہوئے ہیں ۔ یہ کتاب دردشین لوک ادبی ورثہ کی عکاسی کرتی ہے۔اُمید ہے کہ اس کتاب سے موجودہ قارئین مستفید ہوں گے

مختار زاہد بڈگامی

مصنف تاریخ شینا زبان و ادب

انتساب

اپنے والد غلام نبی، والدہ شہر بانو اور رفیق حیات سکینہ بانو کے نام۔

اور اُن لوگوں کے نام جنہوں نے شینا لوک ادب کو زندہ رکھا

جملہ حقوق بحقِ مصنف محمد شفیع ساگرواہل وعیال محفوظ ہیں۔

نام کتاب:۔ شینالوک ادب

مصنف: محمد شفیع ساگر

پروف ریڈینگ: شبیر احمد مصباحی/رضاامجد بڈگامی

کمپوزنگ: مشتاق احمد ساگر

سال اشاعت: 2017

تعداد: ۵۰۰

قیمت: 200روپے

زیر اہتمام جموں کشمیر ورڈشین ڈیولپمنٹ آرگنائیزیشن یونٹ کرگل

فہرست مضامین	صفحہ نمبر

شینا لوک ادب ایک نظر	1
تقریظ	4
پیش لفظ	6
شینا رسم الخط ضیا سے سامون تک	9
باب اول	
دراس مختصر تعارف	11
شینا لوک ادب	26
باب دوئم	
ماپونیے گائے (ماپون کے گانے)	29
باب سوئم	
چھلیچے گائے (باراتیوں کے گیت)	54
شادی کا طریقہ	73
باب چہارم	
شینا دردی سماج میں دال کا ہن کی اہمیت	82
اڑنگا لیے	88
پاکستان گلگت اور دراس میں دالوں کو تیار کرنے کا طریقہ	103
دال چہر سنگھ اور رنگلت کی بھوتنی ۔	105
زمانے قدیم کے چند مشہور دال ۔	108

باب پنجم

چنا گائے (غم کے گیت)	111
وال ہلو اور لکھو لما۔	113
کلائی گائے (ایک پہاڑی بکری کی کہانی)	116
الم شیر اور بیوی کا قصہ	121
ایک عورت کا قصہ جس کا شوہر اور سسر شملہ سے واپس نہیں آئے	127
ایک بھائی کی فریاد جس کے بھائی کو دریا کی موجوں نے غائب کردیا۔	131

باب ششم

چند اور گیت

ایک گیت جس میں مثارو کے ظلم کا ذکر ہے۔	135
مثارو کے پہلی بار درراس پہنچنے کا واقعہ۔	140
ایک عورت کی داستان عشق	143
شاہ مُراد	149
شاہ مُراد کا گانا	150

باب ہفتم

چند پُرانے عقائد 154

تخلیق کائینات کا عقیدہ 154

نونگ کے بارے میں لوگوں کا عقیدہ 157

گاوں کے نام اور اُن کی وجہ تسمیہ۔ 160

مشہور درے۔ 166

باب ہشتم

کھیل تماشے۔ 167

شینا لوک ادب ایک نظر

جدید تحقیق کے مطابق دُنیا میں اس وقت دو ہزار سات سو زبانیں زندہ ہیں۔ بین الاقوامی سطح پر ایک زبان نے زندہ رہنے کے لیے ترجمہ نگاری کا لبادہ زیب تن کیا ہوا ہے۔ یہ لسانی لین دین دراصل زبان کی اشاعت وترویج اور لسانی ترقی کے لیے بہت ضروری ہے۔ اسی طرح تہذیبی وثقافتی سطح پر خیالات وتصورات کا ادل بدل، علوم وفنون میں معلومات کا تبادلہ اور دانش وحکمت میں اصطلاحات ومحاورات کا استعمال دراصل زبان کے ارتقائی مدارج طے کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر گستاولی بانی کے مطابق یونان کی تصانیف کا علم ان کے عربی ترجمے کے ذریعے ہی دُنیائے علم وادب میں پھیلا۔

یوں تو انسان کے فرضی خطوط کسی بھی زبان یا تہذیب میں اثر انداز نہیں ہوتے۔ اگر انسان کی اقتصادی حالت کمزور ہو تو ان فرضی خطوط اور زمینی بٹوارے ان کی زبان، ان کی تہذیب وتمدن پر پوری طرح اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہاں تک کی انکے مٹنے کی نوبت بھی آجاتی ہے۔ نیز اسی طرح ہند و پاک بٹوارہ شین اقوام کی کمزور اقتصادی حالت انکی تعلیم اور شینا لوک ادب پر حاوی ہوگیا۔ یہاں تک کہ بہت سی چیزیں یکا یک غائب ہوگئیں۔ خاص کر علاقے دراس کے شُینٹ لوگوں کی بات کریں تو اُنہوں نے اپنے رسم ورواج پر دوسروں کی رسومات کو ترجیح دینا باعث فخر محسوس کیا۔ کسی نے بھی بُنیادی طور تحقیق کر کے اس انمول ذخیرے کو قائم رکھنے کی طرف توجہ مرکوز کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ لیکن اس کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ شینا رسم الخط کہیں غائب ہوگیا تھا۔ اس دوڑ دھوپ میں بہت سے اشخاص نے انفرادی طور ان حروف کو ایجاد کرنے کی کوشش کی۔ جو بے سود رہی۔ لیکن سال 2012ء میں محمد شفیع ساگر نے دراس گریز اور چندر کوٹ وغیرہ کے شُینٹ نمائندوں سے صلاح مشورہ شروع کیا۔ جس میں خاص کر رضا امجد بڈگامی (مصنف کتاب جموں کشمیر میں آباد شُین دردوں کی مختصر تاریخ) کا بڑا تعاون رہا تھا۔ اسکے بعد محمد شفیع ساگر نے سب سے پہلے سال 2012ء میں 'شینا رسم الخط' تصنیف فرمایا۔ جسے شُینٹ لوگوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور اُمید کی ایک کرن نظر آئی۔ تب سے ہی شُینٹ لوگوں نے شعروشاعری وغیرہ کے کئی مقابلے منعقد کر کے انکے نسخے کو سمجھنے کی

کوشش کی اور کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے ۔لیکن دراس میں موجود شینا روایتوں کی طرف کسی نے بھی توجہ نہیں دیا لیکن محمد شفیع ساگر نے ایک بار پھر شینا لوک ادب کی طرف توجہ مرکوز کیا ۔خاص کر علاقے دراس میں کئی سال قبل رائج شینا روایتوں کو کتابی شکل دیکر اسے محفوظ ہی نہیں بلکہ حسبِ ضرورت استعمال کرنے کا ایک سُنہری موقع فراہم کیا ہے ۔ورنہ ہماری روایت کو بھی 'س' اور 'ش' کے درمیان غائب ہو کر ختم ہونے کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا ۔بقول شاعر

گاہے اسو رے سین تھینا
گاہے اسو رے شین تھینا
سین، شین بے نے بلیس
شُنا لوکو بے بُوڑے سین بلیس

انکی کتاب شینا لوک ادب پر تبصرہ کرنے سے قبل محمد شفیع ساگر کا تھوڑا سا تعارف کرنا مناسب سمجھتا ہوں ۔ویسے تو محمد شفیع ساگر کسی تعارف کا محتاج نہیں ۔

محمد شفیع ساگر عالمشیر خاندان کے دندل والی شاخ سے نمبردار کھکور کے ایک کُنبے میں پیدا ہوئے ۔لیکن انکے والد محترم نے دندل سے ترک سکونت کر کے دراس گوشن کے ایک چھوٹے سے محلے گرینگو میں سکونت اختیار کی ۔سال 1972ء میں ان کی پیدائش اسی گاوں میں ہوئی ۔مجھے اس بات پر فخر ہے کہ انکی تعلیم کا آغاز یعنی بسم اللہ میں نے ہی کروایا تھا ۔محمد شفیع بچپن سے ہی ذہین تھے ۔انہیں نئی چیزوں کے بارے میں جاننے کا شوق بچپن ہی سے تھا ۔انہیں لوریاں، کہانیاں اور گیت سُننے کا بڑا شوق تھا ۔اس زمانے میں بزرگوں کے پاس کافی ذخیرہ شینا لوک ادب کا موجود تھا ۔لیکن بدقسمتی کی بات یہ تھی کہ اسے لکھکر محفوظ کرنے کا خیال بالکل ہی کم لوگوں میں موجود تھا ۔لیکن محمد شفیع ساگر نے قلم اُٹھا کر اس خوبصورت اور بیش بہا انمول ادب کو محفوظ کرنے کی راہ ہموار کی ہے ۔

محمد شفیع ساگر کی کتاب شینا لوک ادب کا سرسری جائیزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ شینا لوک ادب خاص کر دراس کے شین اقوام میں رائج لوک ادب میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے شینا لوک ادب کو جمع کرنے میں ساگر صاحب نے کڑی محنت کی ہے ۔ساگر صاحب نے باب در باب پہلو در پہلو روایتوں کو جمع کر کے اس میں سیر حاصل بحث کی

ہے ۔اور اُردو جاننے والوں کو اسے سمجھنے میں کوئی مشکل درپیش نہیں آسکتی ہے ۔ساگر صاحب نے مشکل الفاظ کو تفہیم کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی ہے ۔اُنہوں نے بہت سارے موضوعات کو خوبصورت انداز میں قلم بند کیا ہے ۔جو عام انسان کے بس کی بات نہیں ہے ۔لیکن اب بھی بہت سی ایسی روائتیں شُینہ لوک ادب میں کئی سال قبل تک رائج تھیں ۔انہیں بھی قلم بند کرنے کی ضرورت ہے ۔ساگر صاحب نے اُردو شاعری اور شینا شاعری کا بھی کافی ذخیرہ جمع کیا ہے ۔اُمید ہے کہ نئے طرز کی شینا شاعری کا دیوان بھی شایع کر کے شُینہ لوگوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کا ایک موقع فراہم کریں گے ۔شُینہ اقوام کی قدیم تاریخ و ادب کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زبان میں کافی وسعت ہے اور انسان اگر ایک ہی پہلو پہ لکھنا چاہے تو کئی کتب لکھنے کے باوجود بھی اسے پوری طرح نہیں سمیٹا جا سکتا ہے ۔لیکن ساگر کی طرح ہمت اور حوصلہ رکھکر اسے لکھنے کی اگر کوشش کی جائے تو وہ دن دور نہیں کہ شینا لوک ادب پھر سے اپنی پُرانی رسم و رواج کے ساتھ اُبھر سکتی ہے

بفضل خدا ساگر کی کتاب آپکے سامنے پیش کی جارہی ہے آپ لوگوں سے استدعا ہے کہ اسے بھرپور لُطف اندوز ہوکر محمد شفیع ساگر کے ساتھ ساتھ بندہ ناچیز کو بھی اپنی دُعاوں میں یاد کرنا نہ بھولیں ۔

عبدُالمجید لون صحرا

ایم اے بی ایڈ

تحریر:۔ 3فروری 2016

تقریظ

ریاست جموں وکشمیر میں شینا ادب کی گذشتہ تاریخ کا جائزہ لیں تو ہمیں گنے چُنے ادباء وشعراء ہی ملتے ہیں جنھوں نے شینا زبان، لوک ادب اور دردقوم کی تہذیب وثقافت پر قامہ فرسائی کی ہو۔حقیر کی معلومات کے مطابق سال 2010ء تک شینا لوک ادب پر ماسوائے کئی ایک غیر ملکی محققوں کے کسی بھی قلم کار نے خواہ وہ بیرونی ہو یا مقامی قلم اُٹھانے کی جُرات نہیں کی۔سال 2011ء میں جب حقیر ساگر صاحب کے گھر اپنی کتاب ''جموں کشمیر میں آباد شین دردوں کی مختصر تاریخ'' کی کمپیوٹر رائٹنگ کے سلسلے میں پہونچا تو اُنہوں نے قریب اُلمسخ شینا لوک ادب کے سلسلے میں چند خدشات کا اظہار کرتے ہوئے اس موضوع پر کچھ کام کرنے کی صلاح لی۔چونکہ حقیر ساگر صاحب کی لیاقت، دیانت داری اور اپنی قوم کے تئیں ان کی بےلوث ہمدردی سے واقف تھا۔لہٰذہ حقیر نے انہیں اس موضوع پر قلم اُٹھانے کی صلاح دی۔چنانچہ ساگر صاحب نے بڑی محنت کے ساتھ چھان بین کرتے ہوئے شینا لوک ادب کے گرد آلود ذخیرے کو صفاتِ قرطاس میں بڑی خوبصورتی سے رقم کیا۔اس کام میں انہیں کم از کم پانچ برس کا عرصہ لگا۔اس راہ میں انہیں بہت ساری دشواریاں بھی پیش آئیں۔چونکہ شین دردوں کا لوک ادب جواب تک سینہ بہ سینہ ایک پودے سے دوسری پود تک منتقل ہوتے آیا ہے اب جدید دور کی چکاچوند اور اپنے لوگوں کی بےتوجہی کے باعث روبہ زوال ہو چُکا تھا۔ایسے حالات میں اس موضوع پر قلم اُٹھانا گویا اندھیرے میں چراغ ڈھونڈنے کے مترادف تھا۔ساگر صاحب نے انجام اور دشواریوں کی پرواہ کئے بغیر اس انتہائی پیچیدہ کام بخوبی انجام دے کر شین درد اقوام و دُنیائے ادب و تحقیق کے مداحوں کے لیے ورثہ میں دینے کی عظیم کوشش کی ہے۔اُنہوں نے بڑی عرق ریزی سے ہر اس پہلو پر تحقیق کی ہے جس کا تعلق شین درد سماج کی گذشتہ تہذیب، ثقافت، اور رُسوم سے ہے۔

ساگر صاحب نے زیر نظر کتاب سے قبل غالباً سال 2012ء میں بھی ایک قاعدہ ''شینا رسم الخط'' کے نام سے منظر عام پر لایا۔جو شینا زبان و ادب سے رغبت رکھنے والے نوجوان قلم کاروں کے

لیے ایک مشعلِ راہ ثابت ہوئی ۔نثر کے علاوہ ساگر صاحب ایک با صلاحیت اور اعلیٰ پایہ کے شاعر بھی ہیں ۔آپ غزلیں ،ترانے ،حمد و نعت ،قصائید لکھنے پر بھی قدرت رکھتے ہیں ۔آپ کے کلام میں عام طور پر اتفاق بین المسلمین، اخوت اور انسان دوستی کا درس ملتا ہے ۔

زیرِ نظر کتاب قارئین کے لئے ایک نادر نذرانہ ہے ۔غیر شین درد حضرات کے لئے تو یہ بلا شبہ ایک نئی چیز ہے ہی ساتھ ساتھ شینا ثقافت اور رسوم سے جُڑے حضرات کے لیے بھی یہ نئی معلومات کا ایک پُر مہک گلدستہ ثابت ہوگی ۔

آخر میں حقیر اس تصنیف پر اپنے جگری دوست ساگر صاحب کو دل کی عمیق گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں ۔ اس دُعا کے ساتھ کہ ساگر صاحب کے قلم کو ربُ العزت مزید وسعت بخشے ۔ ''آمین''

ہیش نے تھے بوجیل شُناجُوس تو چھوری تو م ہیوے کچے

بس حکم تھے ساگراٹ تُس تُو پُرئی کشیرا مچا۔

حقیر　رضا امجد

مصنف ''جموں کشمیر میں آباد شین دردوں کی مختصر تاریخ''

پیش لفظ

شینا زبان اور تہذیب کسی تعارف کی محتاج نہیں۔شینا زبان میں اب تک جتنی تحقیق ہوئی ہے وہ اس زبان اور تہذیب کی وسعت کے سامنے سمندر سے ایک بوند پانی نکالنے کے مترادف ہے۔اس تہذیب کے کتنے نقوش گذرتے وقت کے ساتھ صفحہ ہستی سے مٹ گئے اور کتنے ہی اپنی آخری سانسیں گن رہی ہیں۔ایسی ہی بہت ساری روایتیں اور رسوم ورواج کو ہم نے اپنی ہی زندگی میں مٹتے دیکھا ہے۔ایسا ہی دراسی شینا کا انمول لوک ادب ہے۔ اس وسیع لوک ادب کو تحریری شکل میں محفوظ کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی یہ ایک نہایت ہی دلچسپ کہانی ہے

جب ہم چھوٹے تھے اتنے رسومات،تہوار،گیت،کہانیاں،پہلیاں،ضرب الامثال،نہ جانے کیا کیا تھا جو ہم اپنے بزرگوں سے سُنتے آئے تھے۔لیکن جب ہم جوان ہوئے تو دیکھا کہ بیشتر بزرگ اس دارِفانی سے کوچ کر گئے تھے۔اب وہ کہانیاں قصے گیت وغیرہ سُنانے والا کوئی بھی نہ بچا تھا۔اُس تہذیب اور تمدن کو دیکھنے کے لیے ہماری آنکھیں ترستی تھیں۔لیکن ہماری عمر کے لوگ میری طرح اس تہذیب کے چند دھندلے نقوش ہی اپنے اذہان میں محفوظ کر پائے تھے۔

سال 2006ء میں ناچیز نے پہلی بار اس تہذیبی ورثے کو جمع کرنے کی کوشش کی تھی جس دوران ڈاکٹر محمد سلیم میر نے بھرپور مدد کی تھی۔لیکن وہ مواد کسی دوست کی لاپرواہی سے کھو گیا۔اور میں اپنے مقصد میں ناکام رہا سال 2012ء میں کلچرل اکیڈمی کرگل میں ایک کانفرنس چلی جس میں ناچیز کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔اس کانفرنس میں مجھے جو موضوع ملا تھا وہ تھا 'دراس کا شینا لوک ادب' پہلے تو میں نے اس موضوع کو نہایت ہی آسان سمجھا۔لیکن جب کاغذ قلم اُٹھا کر لکھنے کی کوشش کی تو پتا چلا کہ ہم اُس تہذیب وتمدن کو پیچھے چھوڑ کر کتنا آگے نکل چکے ہیں۔اس کے بعد میں نے کسی طرح اپنا مقالہ تیار کیا۔

سال 2015ء میں کرگل میں انٹرنیشنل ایسوسیشن فار لداخ اسٹیڈیس (IALS) کا سمینار چلا جس کے

لیے ناچیز نے شینا سماج میں دال (کاہن) کی اہمیت پر ایک مقالہ تیار کیا۔جس کے بعد میرے دوستوں نے مشورہ دیا کہ دونوں مقالوں کو جمع کر کے کتاب کی شکل دی جائے۔جس کے بعد میں نے یہ کتاب لکھنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ اس کے بعد میں نے اس انمول خزانے کو جمع کرنے اور تحریری طور محفوظ کرنے کی کوشش کی لیکن پورے علاقے دراس گھومنے پھرنے کے بعد پتا چلا کہ اس انمول خزانے کو بیان کرنے والے صرف دو بزرگ محمد شائیم دندل اور غلام الدین دندل ہی زندہ تھے اگر انہیں بھی خدانخواستہ کچھ ہو جاتا تو بیشتر لوک ادب کا انمول خزانہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا۔اس کے علاوہ چند نوجوان بھی تھے جنہوں نے اس انمول خزانے کو محفوظ رکھا تھا۔لیکن ان کے پاس یا تو کچھ ہی یاد تھا یا جو یاد تھا اُس میں بھی کوئی ترتیب نہیں تھی۔اس کے علاوہ بہت سارے گیت مجھے پُرانے کیسٹوں سے ملے۔ ٹائپ ریکارڑوں کا زمانہ بھی ختم ہوچُکا ہے۔اب ٹیپ ریکارڈر کی جگہ موبائیل اور کمپیوٹر نے لے لی ہے اس لئے بیشتر کیسٹ جو شوقین لوگوں نے جمع کئے تھے یا تو ضائع ہو گئے تھے یا اُنہیں چلانے کے لیے ٹائپ ریکارڈر نہیں ملتے تھے۔اب مجھے یہ احساس بار بار ستانے لگا کہ لوک ادب کا وہ انمول خزانہ جسے ہر کوئی جانتا تھا۔آخری سانسیں گن رہا ہے۔ان حالات میں مجھے جو کچھ ملا میں نے جمع کرلیا لیکن میں لوک ادب کا بڑا حصہ جو لوک کہانیوں ،ضرب المثال محاورے وغیرہ کی شکل میں تھا اُنہیں جمع کرنے کی فی الحال کوشش نہیں کی۔لیکن جتنا ہو سکا میں نے اس لوک ادب کو قلمبند کرنے کی کوشش کی ہے۔جو اپنی آخری سانسیں گن رہا تھا اگر اس میں کسی قسم کی خامی رہی ہو تو میں اس کتاب کے پڑھنے والوں سے گذارش کرتا ہوں کی اس خامی سے مجھے مطلع کریں۔تا کہ آئیندہ ایڈیشن میں اس غلطی یا خامی کا ازالہ ہو سکے

میں اُن لوگوں کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تکمیل میں میری مدد کی خصوصاً جناب شائیم لون ،غلام الدین دندل ،عبدُ الرزاق کھندہ ،غلام محمد کھندہ ،غلام رسول کھندہ ،دادی فازولی ،وغیرہ جنہوں نے اس کتاب کے لئے گیت وغیرہ فراہم کیے۔اس کے علاوہ جناب عبدُ المجید صحرا کا نہایت ہی مشکور ہوں جنہوں نے پُرانے کیسیٹ وغیرہ فراہم کیا اور اپنی بہترین آرا سے ناچیز کو فیض پہنچایا۔میں مورخ وشینا شاعر جناب رضا امجد بڈ گامی کا بھی تہہ دل سے شکر گذار ہوں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر کتاب میں موجود مواد کی اصلاح میں اہم رول ادا کیا

میں جناب مولانا شبیر احمد مصباحی کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے کتاب میں املا کی دُرستگی میں اہم رول ادا کیا میں جناب مختار زاہد بڈ گامی، عطاءاللہ پرواز، جناب احمد جوان دراسی، جناب خورشید احمد لکچرار ہولیال اور شمس الدین لکچرار کا بھی نہایت ہی مشکور ہوں کہ اُنہوں نے بار بار ناچیز کی حوصلہ افزائی کر کے اس جزبہ کو ٹھنڈا نہیں ہونے دیا ۔میں جناب محمد امین زیلدار وظہور احمد زیلدار کا بھی مشکور ہوں جو کتابوں کی مارکیٹینگ میں ہر وقت مدد کرتے رہتے ہیں ۔آخر میں میں جناب فیروز احمد چراغ صاحب کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے پُرانے کیسٹوں کو چلانے میں میری بہت مدد کی ۔میں جناب عبدُ الرحمان زیلدار سرکل انسپکٹر فُڈ اینڈ سپلائیز اور عبدُ الرزاق زیلدار ساکنانِ کھربو کا بھی نہایت مشکور ہوں کہ اُنہوں نے اس کتاب کی تکمیل کے لیے ہر قسم کی مدد کی پیش کش کی ۔

مصنف

محمد شفیع ساگر ایم اے ایم ایڈ

شینا رسم الخط ۔ضیا سے سامون تک

شینا رسم اُلخط ایک بہت ہی پیچیدہ عمل تھا ۔اس رسم اُلخط کو متفقہ طور پر قبول کرانے میں بہت ساری دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ۔ پہلے پہل لوگ اپنا اپنا رسم الخط استعمال کرتے تھے ۔جس کی وجہ سے دراس اور گریز میں بولی جانے والی شینا زبان آگے نہیں بڑھ پائی ۔سال 2002 میں جموں وکشمیر کے آئین میں شامل تمام زبانوں کو سکولی نصاب میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا ۔لیکن شینا زبان کا اپنا رسم الخط نہ ہونے کی وجہ سے یہ زبان نصاب میں شامل نہ ہو پائی سال 2011ء میں رضا امجد بڈ گامی اور درد شین ڈیولپمیٹ آرگنائیزیشن کی کوششوں اور کاوشوں سے دراس اور گریز کے اسکالروں نے متفقہ طور پاکستانی مصنف محمد امین ضیا کے حروف کو اپنانے کا فیصلہ کیا ۔یہ فیصلہ دراصل تمام اسکالروں کو ایک پلیٹ فارم میں جمع کرانے اور اختلافات کو ختم کرانے کے لیے تھا ۔کیونکہ بہت سارے مصنفین کا اپنا اپنا رسم اُلخط تھا اور کوئی بھی اپنا رسم اُلخط چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا ۔جب تمام لوگ اس رسم الخط پہ لکھنے کے لیے آمادہ ہو گئے تو ناچیز نے اس رسم الخط کے تعارف کی خاطر ایک کتابچہ شینا رسم اُلخط کے نام سے نکالا ۔ اس کے بعد تمام مصنفین اس رسم الخط پہ کتابیں تحریر کرنے لگے ۔اس کے بعد شینا زبان کی ترقی اور ترویج کی راہیں کھل گئیں ۔سال 2013 میں مسعود حسن سامون صاحب نے اپنا ایجاد کردہ رسم الخط پر مبنی کتاب شینا رسم الخط و صوتی نظام شائع کی جس کے بعد تمام شینا مصنفین ایک بار پھر سوچنے پہ مجبور ہو گئے ۔لیکن آرگنائیزیشن کی وساطت سے کئی مصنفین مسعود سامون صاحب کے گھر واقع سرینگر تشریف لے گئے جن میں رضا امجد بڈ گامی، خورشید احمد لکچرار، شمس اُالدین لکچرار، احمد جوان دراسی اور ناچیز موجود تھے ۔یہاں پہنچ کر مسعود سامون صاحب کے ساتھ تفصیلی بحث ہوئی ۔مسعود سامون صاحب نے امین ضیا کے رسم اُلخط پر بے شمار خامیاں نکالیں ۔اور اُسے ترک کرنے کا مشورہ دیا ۔اس کے بعد کئی سال تک دراس وگریز کے مصنفین اس شش وپنج میں مبتلا رہے کہ امین ضیا کے اسکرپٹ پہ لکھا جائے یا مسعود سامون کے اس بیچ کئی کتابیں پھر سے امین ضیا کے رسم الخط پہ شایع ہوئیں ۔مارچ 2016ء

میں جموں میں ایک ملٹی لینگول کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ناچیز کے علاوہ رضا امجد بڈ گامی ۔مختار زاہد بڈ گامی، احمد جوان دراسی، غلام قادر زکی ،محمد اصغر عاصی اور مسعود الحسن سامون بھی موجود تھے ۔اس کانفرنس میں رسم الخط کا مسئلہ ایک بار پھر اُبھرا ۔اس کانفرنس میں فیصلہ ہوا کہ کرگل میں اس سلسلے میں ایک میٹنگ منعقد کی جائے گی ۔مئی 2016ء میں اس سلسلے میں ایک میٹنگ ڈاک بنگلو کرگل میں منعقد ہوئی جس میں آرگنا ئیزیشن کے اکثر ممبروں نے شمولیت کی ۔جن میں رضا امجد بڈ گامی، غلام قادر زکی ،محمد اصغر عاصی ،محمد یاسین انصاری ،خورشید احمد ،شمس الدین ،حاجی محمد شفیع میرا ایگزیکٹیو کونسلر محمد اسمائیل باجی ہولیال، گیاسن ، وغیرہ شامل تھے گریز سے مسعود الحسن سامونؔ ، عبدُ الجبار چکٹ ،محمد رمضان خان، وغیرہ شامل تھے ۔یہ میٹنگ رات کے دو بجے تک چلی ۔جس میں زبردست بحث ومباحثہ کے بعد چند جُزوی ترامیم کے بعد مسعود الحسن سامون کے رسم الخط کو اپنانے کا فیصلہ کیا گیا ۔اور اس سلسلے میں ایک کمیٹی بنائی گئی جو مسعود صاحب کے رسم اُلخط کو جانچے پرکھے اور خصوصی ترامیم عمل میں لائے اس کمیٹی میں ناچیز کے علاوہ عطاواللہ پرواز، رضا امجد بڈ گامی ،احمد جوان دراسی اور مختار زاہد بڈ گامی شامل تھے ۔اس کمیٹی نے اس سلسلے میں مسعود الحسن سامون کے گھر واقع بانڈی پور میں ایک میٹنگ منعقد کر کے کچھ ترامیم کیں جس کے بعد مسعود سامون صاحب کے رسم اُلخط کو اپنایا گیا ۔اس کے بعد جموں وکشمیر بورڑ آف اسکول ایجوکیشن میں تیسری جماعت کا نصاب اسی رسم الخط میں بنایا گیا ۔ ناچیز کی یہ کتاب اسی رسم الخط میں لکھی گئی ہے ۔ناچیز کی اللہ تعالٰی سے دُعا ہے کہ یہ رسم اُلخط آگے بڑھے تاکہ شینا زبان کی ترقی ممکن ہو۔

مسعود الحسن سامون کے ایجاد کردہ حروف کی مختصر وضاحت

ڄ ــــــ ڄا ــــــ بھائی	ڇ ــــــ ڇالو ــــــ دیا
ݜ ــــــ ݜیݜ ــــــ سر	ڇھ ــــــ ڇھیݜ ــــــ کھیت
ڹ ــــــ کوڹ ــــــ کان	ݩ ــــــ اݩائی ــــــ آسمان
ڗ ــــــ ڗائی ــــــ کھڑکی ۔	اٗ ــــــــــــــ وہ ۔(دور کی طرف اشارہ)

باب اول

'دراس' مختصر تعارف

علاقہ دراس دُنیا کا سب سے زیادہ سرد ترین علاقہ ہے۔ یہ سائبریا کے بعد دُنیا میں سردی کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر آتا ہے۔ دراس کا قدیم نام ہومس ہے۔ جو شینا ہینو باس سے نکلا ہے جس کا مطلب برف کا بسیرا ہے۔ یہاں سردیوں میں چھ سات فُٹ برف گرتی ہے۔ پہلے زمانے میں پندرہ سے بیس فُٹ تک برف گرتی تھی۔ دراس میں سخت سردی پڑتی ہے سردی کا یہ عالم ہے کہ سال 1983ء میں درجہ حرارت منفی ساٹھ ڈگری تک گرنے کا ریکارڈ ہے۔ یہ سطح سمندر سے 10660 فُٹ اونچائی پر واقع ہے۔ اس کا محل وقوع 34 ڈگری 27 منٹ مشرق اور 75 ڈگری 46 منٹ شمال کے بیچ پڑتا ہے۔ لفظ دراس انگریزوں کا دیا ہوا نام ہے۔ دراس کو انگریزوں نے Land of Dardas یعنی دردوں کی سرزمین لکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دراس میں بسنے والوں کی زیادہ تعداد درد قوم سے تعلق رکھتی ہے جو گلگت دردستان سے مختلف ادوار میں ہجرت کر کے یہاں آباد ہوئے۔ درہ زوجیلہ نزدیک ہونے کی وجہ سے یہاں برف زیادہ گرتی ہے۔ کبھی کبار 22 فُٹ تک برف گرنے کا بھی ریکارڈ ہے۔ پہلے زمانے میں مکانات اکثر زمین دوز ہوا کرتے تھے اس لیے برف بہت اونچی ہو جاتی تھی۔ اور سیڑیاں بنا کر کئی کئی منزل تک برف کو ٹوکریوں کی مدد سے پھینکنا پڑتا تھا۔ مال مویشی ان اوقات میں اندر ہی بند ہو جاتے تھے اسلئے انہیں گھر کے اندر ہی پانی وغیرہ دینا پڑتا تھا۔ کئی جگہوں میں تو برف پگھلا کر پانی حاصل کرنا پڑتا تھا۔ دراس میں کچھ ایسی جگہیں ہیں جہاں سردیوں میں ایک ڈیڑھ ماہ کے عرصے تک سورج نظر نہیں آتا ہے۔ اور لوگ سورج کی ایک معمولی کرن کے لیے ترس جاتے ہیں۔ سردیوں کے مخصوص مہینوں میں درہ زوجیلہ بند ہونے کی وجہ سے یہاں کا رابطہ باقی دُنیا کے ساتھ کٹ جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے یہاں کے لوگوں کی مشکلات میں اور بھی اضافہ ہوتا ہے۔ کبھی کبار برفانی تودے کھسکنے کی وجہ سے کرگل سے بھی رابطہ منقطع ہو جاتا ہے۔ ان تمام مشکلات کے باوجود یہاں کے لوگ جفاکش اور بہادر ہیں۔ یہاں کے لوگوں کی مہمان نوازی پورے خطہ لداخ میں مشہور ہے۔ یہاں کے لوگوں کی سب سے

بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ لوگ ہر مشکل کو خدا کی دین سمجھ کر سہہ لیتے ہیں ۔ یہ لوگ ان مشکلات کو کیوں نہ سہہ لیں کیونکہ خدا نے ان مشکلات کے بدلے میں بہت سارے قدرتی مناظر کا تحفہ عطا کیا ہے ۔قدرت کے یہ حسین نظارے چلتے ہوئے کاروان کو قدم روکنے پر مجبور کرتے ہیں ۔ان قدرتی نظاروں کو دیکھ کر لوگ تعریف کرتے رہ جاتے ہیں ۔ دراس خوبصورتی کی بنا پر آج بھی سینکڑوں سیاحوں کو اپنی طرف راغب کرتا ہے ۔مثل مشہور ہے کہ چاند پر نہیں جا سکتے تو لداخ کی سیر کرو۔اگر اس مثل میں اس طرح اضافہ کریں تو بے جا نہ ہوگا کہ چاند پر نہیں جا سکتے تو لداخ کی سیر کرو۔اور لداخ نہیں جا سکتے تو دراس کی سیر کرو۔کیونکہ دراس پورے لداخ کا آئینہ ہے یہاں ہر قسم کا کلچر دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈال دیتا ہے ۔پہلے زمانے میں سینٹرل اشیا کی تجارت کی وجہ سے دراس سیاحت کے لئے ایک اہم جگہ تھی لیکن آزادی کے بعد سنٹرل ایشیا کی تجارت ختم ہوگئی اور دراس سیاحت کے نقشے سے غائب ہوگیا ۔اس علاقے کی خوبصورتی اُس وقت دیکھنے والوں کی آنکھوں سے دور ہوگئی جب اس علاقے کو بارڈر یعنی سرحدی علاقہ قرار دیا گیا۔

یہاں اپریل اور مئی کا مہینہ کافی خوبصورت اور خوشگوار رہوتا ہے ۔کو کہ ان مہینوں میں بھی سردی ہوتی ہے اور برف بھی چار یا پانچ فُٹ تک ہوتی ہے مگر دن کو دھوپ میں خوب تپش ہوتی ہے اور برف کی اوپری سطح ایک ڈیڑھ فُٹ تک پگل جاتی ہے جو رات کو جم کر فولادی شکل اختیار کر لیتی ہے اس دوران بچے بوڑے جوان صبح سورج کی کرن کے ساتھ گھر سے باہر نکلتے ہیں اور برف کے اوپر طرح طرح کے کھیل جیسے تیر اندازی ،کرکٹ ،سکیٹنگ وغیرہ کھیلتے ہیں ۔انہی مہینوں میں تاجر اور مسافر وادی کشمیر کا سفر کرتے ہیں جو بڑا جان جوکھم والا کام ہے ان مہینوں میں صبح کا منظر کافی دلفریب ہوتا ہے جب سورج کی کرن برف پر پڑتی ہے تو ساری برف چمک اُٹھتی ہے اور ہر طرف تارے ہی تارے نظر آتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ ستارے آسمان سے برف کا نظارہ دیکھنے زمین پر اُتر آئے ہوں ۔ پہاڑوں کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ پہاڑوں میں چاندی کی پالش کی گئی ہو ۔جون اور جولائی کے مہینے بہت ہی خوبصورت اور خوشگوار رہوتے ہیں ان مہینوں میں پوری دُنیا سے سیاح خاص طور سے ہندوستان کے مختلف شہروں سے سیاح کثرت سے آتے

ہیں۔ان مہینوں میں دراس کا منظر یوں لگتا ہے جیسے کسی دُلہن نے سرسبز لباس پہن لیا ہو۔ان مہینوں میں موسم کافی خوش گوار ہوتا ہے اور ملکی و غیر ملکی سیاح یہاں آ کر شدت کی گرمی سے راحت پاتے ہیں اور یہاں کے خوبصورت نظاروں سے لُطف اندوز ہوتے ہیں۔یہاں کی خوبصورتی اور خوشگوار موسم کا اندازہ اس واقع سے ہوتا ہے کہ پہلے وزیر اعظم ہندوستان پنڈت جواہر لعل نہرو نے امرناتھ یاترا کے دوران اپنے قیام کے لیے سرینگر کے بجائے دراس کو منتخب کیا اور دو دن تک یہاں قیام کر کے یہاں کے موسم اور نظاروں سے لُطف اُٹھایا۔

سال 2005ء میں دراس کو سب ڈویژن کا درجہ دیا گیا۔جس کے بعد ترقی کی نئی راہیں کھل گئیں۔سال 2014ء میں دراس کو تحصیل کا درجہ ملا۔اور دراس ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

درہ زوجیلہ (جوجْی کھنْ)

سونہ مرگ سے آتے ہوئے سب سے پہلے درہ زوجیلہ کا سامنا ہوتا ہے۔اس درہ کی بلندی اور پیچیدہ شاہراہ دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔درہ زوجیلہ کو شینا زبان میں 'جوجْی کھنْ' کہا جاتا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں بوج پتر کا درہ۔کیونکہ اس درہ میں بوج پتر کے درخت پائے جاتے ہیں۔یہاں کے لوگ ایک دیوی کو بھی اس درہ سے منسوب کرتے تھے جس کا نام زوجی برائی کہا جاتا تھا۔اس درہ کے بوجھ پتر کے بارے میں پُرانے زمانے میں ایک کہانی بیان کی جاتی تھی کہا جاتا تھا کہ ایک دراسی کو اس درہ میں ایک فقیر ملا۔فقیر نے اس انسان کے ساتھ زوجیلہ میں سفر جاری رکھا اُس زمانے میں زوجیلہ میں کوئی درخت نہیں تھا۔اس فقیر نے چلتے چلتے اپنے ساتھی سے کہا کہ آپ میرے ساتھ ساتھ چلیں لیکن پیچھے مُڑ ھ کے نہ دیکھیں۔یہ آدمی چلتا گیا۔پیچھے عجیب وغریب آوازیں آرہی تھیں۔لیکن یہ آدمی برابر چلتے جارہا تھا۔یہ آدمی جب زوجیلہ کے اوپر پہنچا تو اس سے رہا نہیں گیا اور پیچھے مُڑ ھ کے دیکھنے لگا۔دیکھا تو اُس کے پیچھے پیچھے جنگل پیدا ہو گیا تھا۔اس کے دیکھتے ہی یہ جنگل وہیں پہ رُک گیا۔یہاں کے لوگ آج بھی اُس انسان کو بد دُعائیں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر وہ آدمی اُس دن پیچھے مُڑ ھ کے نہیں دیکھتا تو یہاں تک جنگل پیدا ہوتا۔۔۔۔لیکن یہاں جنگل نہ ہونے کی وجہ یہاں کی سخت سردی اور پانی کی عدم دستیابی ہے۔زوجیلہ پار ہوتے ہی جغرافیائی حالات بالکل ہی بدل جاتے ہیں۔پُرانے زمانے میں اس درہ کو متبرک مانا جاتا تھا اور اس

درہ کا ذکر یہاں کے لوک ادب میں بار بار رہوا ہے۔ درہ زوجیلہ خطہ لداخ کو سردیوں کے دوران باقی دُنیا سے کاٹ دیتا ہے۔ یہ درہ سرما کے دوران سخت رُخ اختیار کرتا ہے اوراس کو پار کرنا بہت ہی مشکل بن جاتا ہے۔ یہ درہ سخت سردی اور برفانی طوفان اور تودوں کے لیے بہت ہی بدنام ہے۔ یہاں بہت سارے جوانوں نے اپنی جان کی بازی لگائی۔ اس درہ میں کبھی کبھار بے وقت برف باری اور بارش سے بھی مسافروں کی جان چلی جاتی ہے۔ سال 1947ء میں اس درہ میں دراس کے اکاون لوگ اور کشمیر کے سولہ افراد ہلاک ہوئے۔ اس کے بعد ایک بار دراس کے اٹھارہ لوگ اسی راستہ میں تودوں کے نیچے آگئے۔ سال 1986ء میں اس درہ میں سب سے الم ناک حادثہ ہوا اس سال اکتوبر کے مہینے میں اچانک سخت برف باری ہوئی اور بہت ساری گاڑیاں اس درہ میں پھنس گئی۔ جس کی وجہ سے بہت سارے مسافر اور ڈرائیور اس درہ میں سردی سے ٹھٹھر کر ہلاک ہو گئے۔ اس سال اس درہ میں کئی سو لوگ ہلاک ہوئے۔ اوراس سے کئی زیادہ لوگ زخمی ہوئے۔ اس سال بہت ساری گاڑیاں بھی دریابُرد ہو گئیں۔ سال 1988ء میں اسی راستے سے چلتے ہوئے دراس کے کئی لوگ برفانی تودوں کی زد میں آگئے ہلاکتوں کا یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔ سال 2005ء میں ڈوڈہ کے تین افراد اس درہ میں ہلاک ہوئے۔ سال 2006ء میں یہاں دو کشمیری ماسٹر شبیر احمد اندرابی اور بشیر احمد میر اس درہ کو عبور کرتے ہوئے ہلاک ہوئے۔ سال 2013ء ماہ اپریل میں کرگل کے دو جوان لڑکے محمد جاوید بلتی بازار کرگل اور محمد اسمائیل برتو اس درہ کو عبور کرتے ہوئے اللہ کو پیارے ہوئے۔ سال 2015ء گیارہ دسمبر کو اس درہ کو عبور کرنے کی کوشش میں دراس ہولیال کا ایک باشندہ غلام نبی جاں بحق ہوا جو محکمہ پولیس میں ملازم تھا۔ اور آج بھی اس درہ کو دوران سرما بغیر مناسب انتظام کے پار کرنا ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ اس درہ میں ہلاکتوں کا سلسلہ صرف سرما کے دوران ہی نہیں بلکہ موسم گرما میں بھی اس درہ کی پیچیدہ سڑک بہت ساری گاڑیوں کے حادثے کا سبب بنتی ہے۔ یہاں کے لوگوں نے اس درہ کو ٹنل بنانے کی مانگ گذشتہ کئی دہائیوں سے رکھی تھی لیکن سال (2016ء) میں انجہانی مفتی محمد سعید نے اس ٹنل کے لیے فنڈس واگذار کیے ہیں اور آئندہ سات سالوں کے دوران اس ٹنل کے مکمل ہونے کی اُمید کی جاسکتی ہے۔

پرانے زمانے میں اس درہ کو پار کرنے کی زیادہ کوشش کی جاتی تھی ۔لوگ اس درہ کو پار کرنے کے لیے سازو سامان تیار رکھتے تھے ۔مقامی طور بنے چمڑے کے جوتے (مشُو کیے)۔جُراب ،اونی پاجامہ ،اونی چوغہ۔وغیرہ خاص طور سے تیار کیے جاتے تھے ۔لاٹھی ،ماچس سوئی دھاگا وغیرہ ساتھ رکھا جاتا تھا ۔کھانے پینے کے ساتھ ساتھ سازو سامان کا بندوبست بھی کیا جاتا تھا ۔جگہ جگہ ڈاک کے ہرکارے موجود ہوتے تھے ۔اور اُن کی کُٹیا میں ٹھہرنے کا انتظام ہوتا تھا ۔درہ زوجیلہ سے آمدو رفت کا سلسلہ کبھی نہیں رُکتا تھا ۔لوگ اس درہ میں آنے والی ہر آفت سے واقف تھے ۔اُنہیں معلوم تھا کہ کس دن برف باری ہوتی ہے اور کس دن نہیں ۔درہ زوجیلہ کے ہر راستے اور یہاں تک کہ راستے میں آنے والے پتھروں تک کے الگ الگ نام تھے ۔پھر بھی یہاں سے سفر کرنا آسان نہیں تھا ۔کبھی اتنی طوفانی ہوا چلتی تھی کہ برف کے ساتھ ساتھ پتھر کی سلیں بھی اُٹھالاتی تھیں ۔اور برف گری تو اتنی تیز کہ چند لمحوں میں کئی فُٹ برف جمع ہو جاتی تھی ۔اس لیے اس درہ میں سفر کرنے والے آدمی کو درہ سے متعلق اچھی جانکاری ہونا لازمی تھا ۔یہاں کے بوڑھے اپنے بچوں کو زوجیلہ کی کہانیاں سُناتے اور اُنہیں بتاتے کہ کن کن جگہوں میں دائیں سمت چلنا ہے ۔اور کن کن مقامات پہ بائیں سمت چلنا ہے ۔جب کوئی سردی سے ٹھٹھر جاتا تو اُسے زور زبردستی یا مار پیٹ کر چلانے کی کوشش کی جاتی تھی تا کہ اُس کے جسم میں گرمی پیدا ہو ۔یہاں ٹھہرنے کی تو بالکل بھی اجازت نہیں تھی اگر روٹی کھانا ہو تو بھی چلتے چلتے ہی کھانا پڑتا تھا ۔

ایک واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ ایک باپ اور اُس کا بیٹا اس درہ سے سفر کر رہے تھے ۔اچانک بیٹا تھک گیا اور اُس نے تھوڑی دیر آرام کرنا چاہا لیکن باپ نے اُسے آرام کرنے کی بالکل بھی اجازت نہیں دی ۔لیکن بیٹے نے اپنی ضد نہیں چھوڑی ۔باپ نے اُسے بہت سمجھایا ۔لیکن آخر میں باپ نے کہا کہ ٹھیک ہے اگر آپ آرام کرنا چاہتے ہو تو کر لیجیے لیکن میں تو بیٹھنے والا نہیں ہوں ۔اگر میں بھی آپ کی طرح نیچے بیٹھ گیا تو میں بھی آپ کے ساتھ مر جاوں گا اور میں مرنا نہیں چاہتا ۔آپ میری بات نہیں مان رہے ہیں اس لیے آپ یہی مرو میں تو چلا ۔یہی کہہ کر باپ چل پڑا اور بیٹا آرام کرنے کی خاطر نیچے بیٹھ گیا ۔تھوڑی دیر بعد بیٹا اُٹھنا چاہا تو نہیں اُٹھ پایا اور بیٹا وہیں پہ جان بحق ہوا ۔اس کے بعد زوجیلہ سے متعلق ایک ضرب المثل شینا زبان میں مشہور ہوئی ۔"مالو پو چارے نیکھا تو کھنِ" جس کے معنی

یہ ہوتے ہیں کہ زوجیلہ ایسی جگہ ہے جہاں باپ اپنے بیٹے سے وفا نہیں کرتا۔

ایک دوسرا واقع یوں ہے کہ ایک آدمی ایک جگہ جہاں بائیں جانب چلنا تھا دائیں جانب چلا۔نتیجہ یہ ہوا کہ ایک گڈھے میں پاوں پڑا۔یہاں اکثر گڈھے نظر نہیں آتے۔کیونکہ گڈھوں کے منہ کو ہلکی یخ کی چادر ڈھک لیتی ہے اور اوپر برف گرتی ہے۔پاوں پڑھتے ہی مذکورہ شخص دھڑام سے نیچے جا گرا۔نیچے دریا بہہ رہا تھا لیکن اس شخص کی قسمت اچھی تھی کہ دریا کے بیچ گرنے کے بجائے کنارے پہ جا گرا۔اب اوپر چڑھنے کی لاکھ کوشش کی لیکن تمام کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔اور یہ شخص اسی گڈھے میں کئی دنوں تک پھنسا رہا۔ایک دن ایک قافلے کا وہاں سے گذر ہوا اُن کے چلنے کی آواز سُن کر یہ شخص زور زور سے چلانے لگا۔اس قافلے نے اس شخص کی آواز سُن لی اور اُسے رسی کی مدد سے باہر نکالا۔

اس قسم کی مشکلات اور پریشانیوں کے باوجود لوگ اپنی جان ہتھیلی میں لے کر اس درہ سے سفر جاری رکھتے تھے کیونکہ تمام کاروبار اسی درہ سے ہوتا تھا۔اس لیے اس درہ کو عبور کرنا ایک طرح کی مجبوری تھی۔

لیکن موسم گرما میں زوجیلہ درہ کی حالت مختلف ہوتی ہے۔اس دوران اس درہ میں قسم قسم کے پھول کھل کر یہ درہ ایک گلستان بن جاتا ہے اور یہاں کھلنے والے پھول دیکھ کر سیاح لُطف اندوز ہوتے ہیں۔بہت سارے سیاحوں نے اس درہ کی خوبصورتی اور یہاں اُگنے والے پھولوں کی تعریف کی ہے۔

مٹائین / پاندراس

زوجیلہ سے آتے ہوئے دراس کا پہلا گاوں مٹائن ہے۔یہاں کشمیری، شین درد اور بُرگی تینوں قومیں آباد ہیں اور تینوں زبانیں بولی جاتی ہیں اسی گاوں سے چند کلومیٹر دور ایک چھوٹی سی قدرتی جھیل آتی ہے جس سے دروپتی گنگ کہا جاتا ہے۔ہندو اس جھیل کو متبرک مانتے ہیں۔اس جھیل کے عین مخالف سمت میں فلک بوز پہاڑ ہیں انہی پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کے اوپر مندر نما پہاڑ نظر آتا ہے۔اسے ہندو لوگ دروپتی کا مندر قرار دیتے ہیں۔شینا زبان میں اس پہاڑ کو 'کوٹھیار' کہتے ہیں۔ 'لداخ تہذیب وثقافت' میں اس چوٹی کی بلندی 17985 فُٹ درج کی گئی ہے۔اسی میں ایک پہاڑی ہے جسے 'شریشن گانیو کوٹ' کہا جاتا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں ہار پہنی دوشیزاوں کا محل۔کہا

جاتا ہے کہ پُرانے زمانے میں ایک ظالم بادشاہ تھا جو نئی نویلی دُلہنوں کو زبردستی اُٹھالیتا تھا۔ایک دن اُس ظالم بادشاہ کی فوج مٹائن اور پاندراس گاوں پہنچی جہاں سات دُلہنیں موجود تھیں ۔ جب ان لڑکیوں نے اس ظالم بادشاہ کے افواج کے آنے کی خبر سُنی تو ساتوں اس پہاڑ کے اوپر چڑھیں اور ساتوں دُلہنوں نے اس پہاڑ سے کود کر اپنی جان دے دیں ۔

اس کے بعد اگلا گاوں پاندراس آتا ہے ۔یہاں 'پلانس' نامی پہاڑی گھاس بہت زیادہ پیدا ہوتی ہے ۔اس گھاس میں یہ خاصیت ہے کہ اس میں ایک قسم کا ایسیڈ (تیزاب) ہوتا ہے جو انسان کی چمڑی کو اُکھاڑ دیتا ہے ۔اس گھاس کو کھانے سے مال مویشی سال بھر فربہ رہتے ہیں ۔یہاں 'شنٹیلی' (مشروم کی ایک قسم) نامی پہاڑی سبزی بھی پائی جاتی ہے جو لذیز اور قیمتی ہوتی ہے ۔اس گاوں کے مکان پہاڑ کے اوپر بنے ہیں اس لئے شاہی قلعوں کی یاد دلاتے ہیں ۔ یہاں راجہ سکندر خان کا مقبرہ بھی موجود ہے

اس کے بعد دراس کا رنبیر پورہ نامی علاقہ آجاتا ہے ۔جسے خاص دراس بھی کہتے ہیں ۔اس علاقے کو گڈو میل کہا جاتا تھا۔لیکن سیلاب نے تمام گڈو میل کو تباہ کر دیا اور کئی دہائیوں تک یہ علاقہ غیر آباد رہا بعد میں مہاراجہ رنبیر سنگھ نے اس گاوں کو دوبارہ آباد کیا ۔اور یہاں پہ سرینگر سے کشمیری نژاد لوگوں کو بسایا ۔یہاں پہ دُکانیں ہوٹل اور سرکاری دفاتر موجود ہیں ۔اس علاقے کے اطراف میں دوسرے گاوں اور دیہات آباد ہیں جن کی اپنی الگ پہچان اور تاریخی حثیت ہے ۔

گوشن

دراس کا مشہور گاوں گوشن خاص دراس سے دو کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے ۔اس گاوں کو شری مون چوٹو نامی شخص نے آباد کیا تھا۔کہا جاتا ہے کہ شری مون چوٹو کو کسی مذہبی گستاخی کی بنا پر گلگت سے جلاوطن کیا گیا تھا۔اور سزا یہ تجویز کی گئی تھی کہ کسی ایسے علاقے میں آباد ہو جہاں کی مٹی میں یہ تاثیر ہو کہ گڈھا کھودنے کے بعد اُسی گڈھے میں وہیں مٹی دوبارہ بھر دی جائے تو مٹی برابر ہو اور زمین ہموار ہو جائے ۔مون چوٹو ایسی ہی زمین کی تلاش کرتے ہوئے گوشن

گاوں پہنچا اور علاقہ دون لوگس میں اسی قسم کی زمین پائی اور آبادی شُروع کی ۔مون چوٹو کی بنائی ہوئی نہر مون یور آج بھی موجود ہے اور ہزاروں ہیکٹر زمین کو سیراب کرتی ہے ۔یہاں پُرانے زمانے میں کسی بادشاہ کا قلعہ بھی موجود تھا جس کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں ۔اسی علاقے میں ایک چشمہ ہے جس کا پانی بہت ساری بیماریوں کے لیے مُفید مانا جاتا ہے ۔کہا جاتا ہے کہ اس پانی کے استعمال سے بانجھ عورتیں بھی صاحب اولاد ہو جاتی ہیں ۔یہ چشمہ پہلے زمانے میں بہت ہی مشہور تھا۔جس کی وجہ سے یہاں آنے والوں کی تعداد بڑھتی ہی جاتی تھی ۔لوگوں کی بھاری تعداد کی بدولت یہاں کی زرعی زمین کو نقصان پہنچتا تھا ۔جس کی وجہ سے کسی راجہ نے اس چشمے کو پتھر اور مٹی ڈال کر بند کروایا ۔جس کی وجہ سے صدیوں تک یہ چشمہ لوگوں کی نظروں سے اوجل رہا ۔لیکن اب پھر یہ چشمہ نمودار ہوا ہے اور سینکڑوں لوگ اس چشمہ سے فیضیاب ہو رہے ہیں ۔کوشن کا مشہور تاریخی پولوگراونڈ گاوں کے عین وسط میں موجود ہے ۔اور آج بھی لوگ یہاں پولو کھیلا کرتے ہیں ۔اسی گاوں سے تلولینگ (16000فُٹ) اور ٹائیگر ہل (17411 فُٹ) نامی اونچی پہاڑیاں بھی موجود ہیں جو کرگل جنگ کے دوران بہت مشہور ہوئیں ۔اس کے علاوہ اس گاوں میں سرحد کے نزدیک 'لولوکھن' نامی درہ بھی موجود ہے ۔

دورِ حاضر کی ترقی کے ساتھ کوشن گاوں بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہے ۔یہاں مرپوچھو ہائڈل پروجیکٹ ، ریڈیو ریلے کیندر، انٹرنیشنل پولوگراونڈ ، آئس ہاکی گراونڈ ، بہت سارے اسکول اور سرکاری دفاتر موجود ہیں ۔

مُرادباغ

کوشن کے مخالف سمت میں مُرادباغ گاوں آباد ہے ۔کہا جاتا ہے کہ یہ گاوں شاہ مُراد نامی کسی بادشاہ نے آباد کیا تھا۔ شاہ مُراد کی بنائی ہوئی نہر آج بھی موجود ہے ۔کہاوت مشہور ہے کہ شاہ مُراد نے یہ نہر پہاڑی بکروں کے سینگ کے استعمال سے نکالی تھی ۔یعنی کُدال سے کھودنے کے بجائے پہاڑی بکروں کے سینگ سے کھودا تھا ۔اسی نالے سے اگلے دو گاوں ہولیال اور مشکوہ آتے ہیں جو کرگل جنگ کے دوران مشہور ہوئے تھے ۔

تروتگجن

دراس کے مخالف سمت میں تروتگجن نامی گاوں آباد ہے یہاں بھی ایک چشمہ ہے جس کا پانی 'ری' کی بیماری کے علاج

کے لیے مُفید مانا جاتا ہے۔یہاں پر نرل نامی پہاڑ پہ شیو لینگ کے دو بڑے قدرتی مجسمے موجود ہیں۔جن کی زیارت کے لیے ہندو زائرین جاتے رہتے ہیں۔

لموچن

بیارس گاوں کے مخالف سمت میں لموچن کا گاوں آجاتا ہے۔یہ گاوں سانکو پیدل ٹریک کا پہلا پڑاو ہے۔یہاں سے اُمبالا پار کرنے کے بعد مسافر سانکو وادی میں داخل ہوتے ہیں۔یہاں کا درہ 'لابر' اپنی اونچائی کے لیے مشہور ہے۔یہاں ایک آستان بھی ہے۔اور یہاں چڑھ کر دراس کی حسین وادی بہت ہی خوبصورت نظر آتی ہے۔اب مسافروں کی آسانی کے لیے یہاں سے پکی سڑک بھی تعمیر ہوئی ہے۔یہاں دریا کے نزدیک پہاڑی پر پہلے زمانے میں ایک محل بیوروکھر موجود تھا۔

ٹسیو

کہا جاتا ہے کہ یہ گاوں کول ڈوم پا نامی شخص نے آباد کیا تھا۔یہاں سڑک کے کنارے دو قدیم مورتیاں ہیں۔یہاں پہاڑی کے اوپر گیا لموکھر موجود تھا۔جس کا اب نام ونشان بھی باقی نہیں ہے۔یہاں ایک آستانہ بھی موجود ہے جہاں پہ لوگ زیارت کے لئے جاتے ہیں۔

یولبو۔

یہاں سے تھوڑی دور جا کر یلبو گاوں آباد ہے۔ چوبل احمد اسی گاوں کا باشندہ تھا اور کسی زمانے میں اس گاوں کو دراس کی راجدھانی کی حثیت حاصل تھی۔مقپون راجاوں کی دورِ حکومت میں دراس کا کھرپون اسمٰعیل خان جب سردیوں میں کھرمنگ جاتا تھا تو دراس کی حکومت چوبل کے حوالے کرتا تھا۔اسی گاوں کے مخالف سمت میں 'فلاٗ' نامی گاوں آباد ہے۔اور یہاں سے تھوڑی دور گنڈیال نامی گاوں آباد ہے۔

بھیمبٹ

یہ گاوں اپنی خوبصورتی کے لیے بہت ہی مشہور ہے ۔ یہاں کرگل جنگ کی ایک یادگار قائم کی گئی ہے ۔ جسے وار میموریل کہتے ہیں ۔ جسے دیکھنے ہزاروں لوگ آجاتے ہیں ۔اس وار میموریل میں ہر سال 'وجے دیوس' نامی میلہ لگتا ہے جس کے دوران اس جنگ میں شہید ہونے والے سپاہیوں کو یاد کیا جاتا ہے ۔اور اُن کے والدین اور رشتہ دار یہاں آکر پھول چڑھاتے ہیں ۔ یہاں آئس ہاکی گراونڈ بھی ہے جہاں ہر سال آئس ہاکی کے مقابلے منعقد ہوتے ہیں ۔ یہاں نیگورنا می محلّہ میں ایک مسجد بھی ہے جسے کافی متبرک مانا جاتا ہے ۔کہا جاتا ہے کہ یہ مسجد کشمیر کے نامور ولی کامل باباعبدُ اللہ شاہ مستان رحمۃ اللہِ علیہ یا اُن کا کوئی شاگرد (روایات میں اختلاف ہے) کی کرامت سے خودبخود وجود میں آئی تھی ۔واقع کچھ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ نامور ولی کامل کا ایک دن دراس سے گذر ہوا اور نیگور گاوں پہنچا ۔ جہاں ان کی ملاقات ایک مقامی نائی سے ہوئی اور نائی نے ولی کے بال بنائے ۔لیکن وہاں پانی موجود نہیں تھا ۔ جب نائی حضرت کے بال بناچُکا تو حضرت نے اُن سے کہا کہ یہاں ایک مسجد تعمیر کی جانی چاہیے ۔ لیکن نائی نے کہا کہ یہاں پانی نہیں ہے اس لیے مسجد کی تعمیر ممکن نہیں ۔ یہ بات سُن کر حضرت نے اپنا عصا مبارک زمین پر دے مارا اور وہاں سے ایک چشمہ پھوٹ پڑا ۔اب حضرت نے کہا کہ آپ خاموشی سے آنکھیں بند کر کے لیٹ جانا میں مسجد تعمیر کرنے کا بندوبست کر لیتا ہوں ۔لیکن اس دوران آوازیں آئیں یا شور زیادہ ہو تو بھی آنکھیں مت کھولنا اور سر نہیں اُٹھانا ۔اس کے بعد بیچارا نائی خاموشی سے لیٹا رہا اور قسم قسم کی آوازیں آنے لگیں جیسے پتھر تراشنے کی ،گارا بنانے کی ،پتھر ڈھونے کی وغیرہ ۔کافی دیر رُکنے کے بعد اس نائی سے رہا نہیں گیا اور اُس نے سر اُٹھا کر دیکھ لیا ۔کیا دیکھتا ہے کہ ایک عجیب مخلوق مسجد کی تعمیر میں لگی ہے ۔کوئی گارا لا رہا ہے کوئی پتھر بنا رہا ہے ۔لیکن اس شخص کے سر اُٹھاتے ہی ساری مخلوق غائب ہوگئی ۔لیکن تب تک دیوار تھوڑی بہت اوپر اُٹھ چکی تھی ۔وہ دیوار جو کسی اور مخلوق کے ہاتھوں بنی تھی آج بھی مسجد کے اندر محفوظ ہے ۔اس ولی کامل کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے ہر سال اس مسجد کے نام ایک بھیڑ و کا نظرانہ پیش کیا جاتا ہے جس کو ذبح کرنے کے لیے اُسی خاندان کے افراد کی خدمت حاصل کی جاتی ہے ۔اگر کوئی دوسرا اس بھیڑو کو ذبح کرے تو قدرتی آفات آنے کا احتمال رہتا ہے ۔ اس گاوں میں ایک انسان نما پتھر ہے جو بالکل لیٹا ہے جس کا نام بھیم بٹ یعنی بھیم پتھر ہے ۔بھیمبٹ گاوں کے نام کو اسی پتھر سے جوڑا جاتا ہے ۔

کہا جاتا ہے کہ پُرانے زمانے میں ایک شخص جس کا نام بھیم تھا اسی جگہ قدرتی طور پتھر بن گیا تھا۔

چوکیال

بھیمبٹ کے بعد دراس کا ایک زرخیز علاقہ موضع چوکیال آجاتا ہے۔یہاں بھی ایک پولوگراونڈ موجود ہے جہاں کسی زمانے میں کھیل کود کے مقابلے منعقد ہوتے تھے لیکن اس وقت یہاں اس قسم کے مقابلے منعقد نہیں ہوتے۔اسی گاوں کا نیچے کھندہ اور تھوڑی دور دونگچک کے محلے آباد ہیں۔

دندل

یہ دراس کا سرد ترین گاوں ہے۔جہاں موسم سرما کے دوران تقریباً ڈیڑھ ماہ تک دھوپ نہیں لگتی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس گاوں میں 'دُنل ڈنی' نامی چوٹی ہے۔جو دراس کی تمام چوٹیوں سے اونچی ہے۔یہ چوٹی دھوپ کو سرما کے دوران کئی مہینوں تک روکے رکھتی ہے۔جس کی وجہ سے یہاں پہ شدت کی سردی ہوتی ہے۔اس گاوں کو دراس کا سائبیریا کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔اس گاوں کے مخالف سمت میں دندل تھنگ نامی گاوں آباد ہے۔اور یہاں سے تھوڑی دور جسگند کا محلّہ آباد ہے جہاں دو مشہور گلیشر موجود ہیں۔جنہیں 'باکی گامک' اور 'ڈوڈی گامک' کہتے ہیں۔یہاں سے سانکو کا دوسرا ٹریک موجود ہے۔جو لاسر نامی درہ سے ہو کر گذرتا ہے۔اور دراس کو سنکو کے لنکرچے گاوں سے ملاتا ہے۔۔یہ گاوں کسی زمانے میں زلزلے سے تباہ ہوا تھا۔مقامی روایات کے مطابق یہ زلزلہ اس قدر سخت تھا کہ گاوں کے تمام لوگ اس زلزلے کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے صرف ایک بوڑھی عورت زندہ بچی تھی۔لیکن بعد میں پُرانے گاوں کو چھوڑ کر نیچے نیا گاوں بسایا گیا۔پُرانے گاوں کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں۔

تھسگام،شمشاہ اور کھربو

آگے چل کر تھسگام کھیبر اور شمشاہ گاوں سے گذرتے ہوئے کھربو گاوں پہنچتے ہیں جہاں راجہ ساٹو کا تعمیر کردہ محل موجود تھا۔یہیں پہ دوسرا محل 'ٹھا سامون'' نے بنایا تھا۔جس کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں۔ساٹو دراس کا ابتدائی

آباد کار تھا جن کی اولاد نے شمشاہ، کھربو، گئیال اور کروٹیال میں آبادی کی بُنیا درکھی تھی۔ کھربو میں سال 1988ء میں ایک برفانی تودے نے بہت زیادہ تباہی مچادی تھی۔ یہ برفانی تودہ گاوں کے بیچوں بیچ سے ہوتے ہوئے گذرا تھا اور گاوں کے اکاون (51) باشندے اس ناگہانی آفت سے ہلاک ہوئے تھے۔

کاکسر، چھانی گنڈ (چھلیسکمبو) اور کرکت

جب سات بھائی گلگت سے بھاگ کر دراس وارد ہوئے تو وہ سب سے پہلے کرکت پہنچے جس کے بعد سُکو نے کاکسر میں آبادی شُروع کی، لاچھو نے چھانی گنڈ میں آبادی کی بُنیا دڈالی اور چولوک نے کرکت میں آبادی کی بُنیاد ڈالی۔ کرکت میں ایک محل کے اثرات آج بھی موجود ہیں۔ جسے نیالی کوٹ کہا جاتا ہے۔ یہاں سے تھوڑی دور کھرول کا مقام آجاتا ہے جس کو زمانے قدیم میں دراس کی سرحد مانا جاتا تھا۔

کرگل جنگ

کرگل جنگ سال 1999ء میں لڑی گئی۔ اس جنگ میں چند شدت پسند عارضی سرحد (Line of control) کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہندوستانی علاقے میں گھس گئے۔ ان شدت پسندوں کو واپس دھکیلنے میں ہندوستانی افواج کو ایک جنگ لڑنی پڑی جسے آپریشن وجے کا نام دیا گیا۔ یہ جنگ 13 مئی 1999ء کو شُروع ہوئی اور جولائی 1999ء کو اختتام پذیر ہوئی۔ اس جنگ میں جہاں ہندوستانی سپاہیوں کا بھاری نقصان ہوا وہیں پہ پاکستانی افواج کو بھی بھاری جانی ومالی نقصان اُٹھانا پڑا۔ انٹرنیٹ میں فراہم کی گئی اطلاعات کے مطابق اس جنگ میں ہندوستان کے 527 افواج کام آئے جبکہ پاکستان کے 453 افواج نے اپنی جان دے دی۔ اسی طرح ہندوستان کے 1363 فوجی زخمی ہوئے جبکہ پاکستان کے 665 فوجی زخمی ہوئے۔ یہ جنگ سب سے زیادہ طول تلولینگ میں پکڑنے لگی اور تین ہفتے کی طویل لڑائی کے بعد بڑی مشکل سے شدت پسندوں نے اس علاقے کو چھوڑ دیا۔ اور سب سے زیادہ نقصان بھی یہی پہ اُٹھانا پڑا۔ کرگل جنگ دراس کی ٹائیگر ہل تلولنگ کے علاوہ بٹا لک، کاکسر اور مشکوہ میں

بھی لڑی گئی ۔اس جنگ میں یہاں کے لوگوں کو اپنے گھر بار چھوڑ کر دوسرے جگہوں کی طرف ہجرت کرنی پڑی ۔اس جنگ کے بارے میں پاکستان کے فوجی سربراہ اور سابقہ صدر پرویز مشرف نے اپنی کتاب "In The Line Of Fire" میں کئی حیرت انگیز باتوں کا انکشاف کیا ہے۔ یہ کتاب سال 2006ء میں منظر پر آگئی ۔پہلے پاکستان اس جنگ میں اپنی افواج کے ملوث ہونے سے صاف انکار کر رہا تھا ۔لیکن بعد میں جناب پرویز مشرف نے اپنی کتاب میں انکشاف کیا کہ یہ جنگ اصل میں پاکستان اور ہندوستان کے درمیان لڑی گئی ۔اُنہوں نے اس کتاب میں لکھا ہے کہ 1999ء میں پاکستانی افواج نے پانچ سو مربع کلومیٹر ہندوستانی علاقے میں دراندازی کر کے قبضہ جمالیا تھا ۔جس میں دوسو پچاس مربع کلومیٹر کا علاقہ مشکوہ میں تھا ۔جبکہ چالیس مربع میل دراس میں، اسی مربع میل بٹالک میں، بیس مربع میل کاکسر میں، اور 23 مربع میل شیوک میں حاصل کیا گیا تھا ۔اُنہوں نے لکھا ہے کہ اس جنگ میں پاکستان کی پوزیشن بہت مستحکم تھی اور اس بات کی اطلاع اُس زمانے کے پاکستانی وزیراعظم نواز شریف کو بھی دی گئی تھی ۔لیکن بعد میں نواز شریف نے امریکہ جا کر جنگ بندی کا معاہدہ کرلیا تھا ۔اور ہماری افواج کو واپس بُلا لیا گیا ۔لیکن بعد میں اس کا خمیازہ نواز شریف کو بھگتنا پڑا ۔جدید سائنسی دور کی یہ پہلی جنگ تھی ۔اس کے علاوہ بھی اس علاقے نے بہت ساری جنگیں دیکھی ہیں جیسے ۔1947 کی جنگ، 1965 کی جنگ اور 1971 کی جنگ قابل ذکر ہیں ۔ اس کے علاوہ 1962ء میں انڈو چائینا وار اور ان تمام جنگوں میں یہاں کے لوگوں نے بڑی بڑی قربانیاں پیش کی ہیں ۔

پیشے

پہلے زمانے میں یہاں کے لوگوں کا خاص پیشہ زراعت اور گلہ بانی تھا ۔لوگ شکار کے بڑے شوقین تھے ۔اور بہت اچھے شکاری تھے ۔یہاں کے لوگ جسیم اور باہمت تھے اس لئے دوسری اقوام میں ہمیشہ اپنا ایک رعب و دبدبہ قائم رکھتے تھے ۔بعد کے زمانوں میں لوگوں نے مرکبانی کا پیشہ اختیار کیا ۔یا رقندی مسافروں کے ساز و سامان کو ادھر اُدھر لانے اور لے جانے میں یہاں کے لوگوں کا بہت بڑا کردار ہوتا تھا ۔آہستہ آہستہ جدید دور کی ضرورتوں کے ساتھ

ساتھ یہاں کے لوگوں کے پیشے بھی بدل گئے ۔اب لوگوں نے گلہ بانی اور مرکبانی کا پیشہ بالکل ترک کر دیا ہے ۔ زراعت بھی اب بہت کم ہوگئی ہے ۔اب زیادہ تر لوگوں کا دارومدار سرکاری ملازمت پر ہے یا مزدوری پر ہے ۔ یہاں کے بے روزگار لوگوں کو روزگار فراہم کرنے میں یہاں کی فوج کا بہت بڑا رول ہے ۔کسی زمانے میں دراس تعلیمی میدان میں ضلع کرگل میں سب سے آگے تھا لیکن بیچ میں حالات بدل گئے ۔اب پھر سے یہاں کے لوگ تعلیم کی طرف زیادہ توجہ دے رہے ہیں ۔

مذہب

یہاں موجود تمام لوگ مسلمان ہیں ۔لیکن فرقوں کے لحاظ سے یہاں سُنی ،شیعہ،نوربخشی اور اہلحدیث آباد ہیں ۔ان میں زیادہ تعداد سُنی مسلمانوں کی ہے ۔جس کی وجہ یہ سمجھی جاتی ہے کہ یہ علاقہ کشمیر کے نزدیک ہے اس لیے یہاں کشمیر سے علماء کا آنا جانا رہا ہے ۔یہاں حضرت بابا عبدُاللہ شاہ مستان کے دورے کی بھی روایت ہے اور نیگور مسجد اُنہی کے نام سے منسوب ہے ۔اسی طرح بہت سارے علما اور مشائخین کو یہاں دینی خدمت کے لیے بسایا گیا ہے ۔اسی طرح یہاں پیر مُریدی کا ایک طویل سلسلہ چلا ہے ۔جن میں بکیہاڑہ کے پیر صاحبان اب تک اپنی خدمات انجام دیتے آئے ہیں ۔یہاں ان چاروں فرقوں کی بہت ساری مساجد موجود ہیں ۔اس کے علاوہ یہاں پہ بہت ساری خانقاہیں اور ماتم سراء بھی موجود ہیں ۔اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں اسلام کرگل اور پُریگ کے علاقوں سے بہت پہلے پھیلا ۔یہاں کے لوگوں کا قدیم مذہب بون مت تھا جس کے آثار آج بھی یہاں کی تہذیب وثقافت میں نمایاں ہیں ۔

زبانیں

یہاں شینا ،پُرگی اور کشمیری زبان بولی جاتی ہے ۔لیکن زیادہ تعداد شین زبان بولنے والوں کی آباد ہے ۔جو زمانے قدیم سے گلگت، داریل ۔تنگیر ،وادی گلتری اور شنگوشگر سے آکر یہاں آباد ہوئے ہیں ۔شین لوگوں کی ایک خاصیت یہ ہے کہ اُنہیں پُرگی ،کشمیری ،اور بلتی میں برابر عبور حاصل ہے ۔پُرگی لوگ کرگل ،لداخ بلتستان اور اس کے گردو

نواہی علاقوں سے آ کر آباد ہوئے ہیں۔ کشمیری وادی کشمیر کے مختلف علاقوں سے آ کر یہاں بس گئے ہیں۔ کشمیریوں کی زیادہ تعداد منٹائن گاوں میں آباد ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شینا لوک ادب

کہتے ہیں کہ انسان کی ابتداء افریقہ سے ہوئی ۔ جب انسان نے ہوش سنبھالا تو اُسے کئی طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ جیسے جینے کے لیے اُسے غذا کی ضرورت پڑی ہوگی ۔سردی گرمی سے بچنے کے لیے لباس کی ضرورت پڑی ہوگی ۔انسان کی ان ضروریات کو اُس زمانے میں جنگلی جانور پورا کرتے ہونگے ان حالات میں انسان نے کتنی صدیاں گذاری ہونگی اس کا اندازہ لگانا بہت ہی مشکل ہے ۔جب انسان شعور کو پہنچا تو اُسے شکار کی تلاش میں دور دور تک بھٹکنا پڑا۔یہی سے انسان کی مہم جوئی کا آغاز ہوا۔افریقہ سے نکل کر دُنیا کے مختلف حصوں میں بٹ گئے ۔ان بھٹکتے ہوئے انسانوں میں ایک گروہ ایسا تھا جو ہمیشہ ندی کے کنارے رہنا پسند کرتے تھے ۔اس گروہ کے کچھ لوگ یورپ کی طرف چلے گئے جو انڈو یورپین کہلائے ۔اور کچھ لوگ ایران کی طرف آنے لگے جو انڈو ایرانین کہلائے ۔یہ لوگ یہاں سے ہوتے ہوئے ہندوستان کے مختلف حصوں میں آباد ہوئے ۔ہندوستان آکے یہ لوگ انڈو آرئین کہلائے ۔یہ لوگ سخت ترین پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے لمبے فاصلے طے کرتے ہوئے لداخ ،تبت اور چین تک پہنچ گئے ۔ ان مہم جووں میں سے کچھ لوگ وادی دراس میں بھی بس گئے ۔جو درد کہلائے ۔یہ لوگ آج بھی شینا زبان بولتے ہیں جو قدیم سنسکرت سے ملتی جُلتی ہے۔

اس قوم کا لوک ادب بہت وسیع ہے ۔دُنیا کی باقی قوموں کی طرح شینا درد لوک ادب بھی کافی پھیلا ہوا ہے۔لیکن رسم الخط نہ ہونے کی وجہ سے اس قوم کا ادبی سرمایا تحریری طور دستیاب نہیں ہے ۔شینا لوک ادب کے حوالے سے پاکستان کے ایک مصنف غلام محمد نے فولک لور آف گلگت کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے ۔جس میں اُس زمانے کے شینا ادب اور رسم ورواج پر بحث کی گئی ہے ۔دراس میں آباد شین دردوں کا رہن سہن اور رسم ورواج گلگت کے شینوں سے ملتا جُلتا ہے ۔کیونکہ ان شینوں کا اصل وطن دردستان ہے ۔دراس کے شین ساتویں یا آٹھویں صدی کے قریب گلگت کے آس پاس کے علاقوں سے ہجرت کر کے دراس وارد ہوئے تھے ۔اس لئے ان کو یہاں آکر بود وباش اختیار کرنے اور مکمل طور یہاں کے ماحول میں رنگنے میں کافی عرصہ لگا۔اس لئے ان لوگوں کو لوک ادب کو تحریری طور محفوظ کرنے کا

شاید موقع نہیں ملا ہو۔ بقول شاعر

آ تجھ کو سُنا تا ہوں تقدیر اُمم کیا ہے　　شمشیر و شنا اول طاوس و رُباب آخر

لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ شینا لوک ادب پھیلا ہوا ہے۔ اس لئے اب ہمیں تحقیق کے لئے ایک ہی راستہ بچتا ہے اور وہ ہے بزرگوں کے سینوں میں محفوظ ادبی سرمائے کو ان کی زبانی سُن کر ضبط تحریر میں لانا اور ان کی کہی ہوئی باتوں کو صحیح مانتے ہوئے اسی پر اکتفا کرنا۔ راقم نے بھی شینا لوک ادب کے حوالے سے ایسی ہی ایک کوشش کی ہے۔ لیکن شینا ادب پہ قلم اُٹھانا سمندر کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ شین یا درد لوگ دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں جیسے داچھی گام، سلر پہلگام، رکھ براہ، چھترگل، چندر کوٹ جموں، داہ درکون کے بودھ درد شین تلیل و گریز کے درد شین، کنگن گاندربل وغیرہ علاقہ جات کے درد شین کے علاوہ پاکستان میں موجود علاقہ جات کے درد شین وغیرہ۔ اور ان سارے علاقہ جات میں موجود لوگوں کے پاس اپنا شینا لوک ادب کا انمول ذخیرہ دستیاب ہے۔ راقم نے زیر نظر کتاب میں صرف دراس میں موجود شینا لوک ادب پر بحث کرنے کی کوشش کی ہے۔

شینا لوک ادب کے اندر شینا زبان کے قدیم و جدید گانے۔ داستانیں، پہلیاں، ضرب المثل، محاورے وغیرہ شامل ہیں۔ جو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں۔ شینا گانوں کی اگر ہم بات کریں تو قدیم زبانے میں شینا ''چنا گائے'' غم کے گیت کو کافی اہمیت حاصل تھی۔ ان گانوں کو لوگ دھیان سے سُنتے تھے۔ کیونکہ درد لوگ فطرتاً جذباتی ہوتے ہیں۔ اس لئے ان گانوں کو دھیان سے سُنتے ہیں۔ گانوں کا دوسرا سیٹ شادی کے گیت جسے ''ماپو نئے گائے'' کہا جاتا ہے شادی کے دنوں میں بڑے شوق سے گایا جاتا تھا۔ ان گانوں کو گائے بغیر دُلہن کو گھر سے وداع کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ ان کے علاوہ بھی شادی کے کچھ مخصوص گانے ہوتے تھے۔ جیسے ''چھیلا چُچے گائے'' یعنی باراتیوں کے گیت۔ گانوں کے اس سیٹ میں باراتیوں کی آمد سے لیکر دُلہن کی وداعی تک کے گیت شامل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ گیت جو خوشی کے موقع پر گائے جاتے ہیں اب تک سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے آرہے ہیں۔ چونکہ درد لوگ شکار کے بہت شوقین ہوتے تھے اس لئے ان کے لوک ادب میں شکار سے متعلق بھی اچھے اچھے گیت اور کہانیاں پائی جاتی ہیں۔

شینا ادب کے اندر کہانیوں کا ایک بڑا ذخیرہ ہے۔اس ادب میں بھی داستانیں سُنانے کا رواج عام ہے۔شین لوگوں کا قدیم مذہب بون مت تھا۔اس لئے تبتی راجہ کیسر گیا لپو کی داستان یہاں کے لوگ شوق سے سُنتے ہیں۔شینا زبان کی تخلیقی کہانیاں جو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی آرہی ہیں اُن میں ''ڈوڈو شیر گاوئی شلوک''، ''بوڈو گا بو ڈیئی شلوک''، ''کے ٹی بو یوریی شلوک''، ''کھر کیلی شلوک'' درپونو جر وی شلوک'' وغیرہ شامل ہیں۔ان کہانیوں میں اُس زمانے کا کلچر، ادب، رہن سہن، اور زبان کا پتہ چلتا ہے۔تاریخ گلگت سے پتہ چلتا ہے کہ شین قوم کے لوگوں نے گلگت میں ایک عرصہ تک حکومت کی ہے۔اس لئے جنگی سورماؤں کی کہانیاں بھی سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی آرہی ہیں ان کے علاوہ چونکہ پہلے ہی عرض ہو چکا ہے ان کا مذہب بون مت تھا اسی لئے دالوں (کاہن) کی کہانیاں بھی زدِ عام ہیں۔ان کے علاوہ شینا ادب کے اندر ایک خاص چیز جو ملتی ہے وہ ہے تکراری اشعار جنہیں شینا زبان میں ''جاپے'' کہا جاتا ہے۔ان اشعار کی خاصیت یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں دو گروپ بنا کر ایک دوسرے کی تنقید یا تعریف میں اشعار کہتے ہیں اور ایک دوسرے کو ہرانے کی کوشش کرتے تھے۔

آئے اب ہم چند گیتوں پر غور کرتے ہیں۔سب سے پہلے شادی کے گیت جنہیں ہم دو گروپوں میں تقسیم کرتے ہیں

۱۔ مالپونئے گائے ۲۔چھلی چھے گائے

باب دیُم

ماپو نئے گائے (ماپون کے گانے)

یہ گانے شادی بیاہ کے دنوں میں شب گذاری کے لیے گائے جاتے تھے۔ دراصل شادی بیاہ میں رات بھر جاگنے کا رواج تھا۔ ایسا رواج کیوں تھا اس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہوسکتی ہیں

۱۔ شادی کے لیے لوگ دور دور سے آتے تھے۔ اور ان کا واپس جانا ناممکن ہوجاتا تھا

۲۔ شادی میں موجود تمام لوگوں کے لیے بستر کا انتظام نہیں ہوتا تھا۔ شادیاں اکثر موسم سرما میں ہوتی تھیں اور سونے کے لیے بھاری بستر کی ضرورت پڑتی تھی۔

۳۔ شادی کی محفل کو میل جول کا ایک بہت بڑا موقع سمجھا جاتا تھا۔ اور لوگ خیال کرتے تھے کہ ایسی محفلیں بار بار منعقد نہیں ہوتی اور یہ لوگ بار بار نہیں آئیں گے اس لیے اس موقع کو نیند میں برباد نہیں کرنا چاہتے تھے۔

۴۔ تہذیب اور ثقافت کو زندہ رکھنے کے لیے شادیوں میں جاگ کر رہنا ضروری سمجھا جاتا تھا انہی شادیوں میں گانے اور کلچر نئی نسل کے سینوں میں منتقل ہوجاتا تھا۔ اس لیے اس کلچر کی منتقلی کے لیے شب بیداری کو ضروری سمجھا جاتا تھا۔

۵۔ ہنسی مذاق، ناچ گانے اور مستی سے قلبی سکون پاتے تھے۔ اور ذہنی پریشانیاں کسی حد تک دور ہوجاتی تھیں۔ اسی لیے شادیوں میں شب بیداری کو سکون قلب حاصل کرنے کا ذریعہ مانا جاتا تھا۔

۶۔ شادی کے دوران شب بیداری سماج کا حصہ تھی۔ اس لیے اس سماجی امر کی خلاف ورزی کر کے سماج کے اندر مجرم بننے کے لیے کوئی بھی تیار نہیں تھا۔ اس کے علاوہ بھی بہت ساری وجوہات ہوسکتی ہیں۔

اس شب بیداری کو قائم رکھنا اتنا آسان بھی نہیں تھا۔ سرما کی لمبی راتوں کو باتوں سے گذارنا ناممکن تھا۔ اور جب محفل میں بہت سارے لوگ جمع ہوجاتے ہیں تو لڑائی جھگڑے کا بھی احتمال رہتا تھا۔ اسی لیے گانوں کو ترجیح دی جانے لگی۔ گانوں میں بھی بہت ساری چیزیں فتنے کا باعث بن سکتی تھیں۔ بہت سارے گانے ایسے ہوتے تھے جن کے گانے

سے دوسروں کے جذبات مجروح ہو سکتے تھے۔اسی لیے ماہرین نے شب بیداری کے لیے خاص گانوں کو منتخب کیا۔ تا کہ کسی کو کسی طرح کا بھی عذر یا اعتراض نہ ہو۔

کہا جاتا ہے کہ راجہ رحیم خان کا درباری شاعر جس کا نام ماپون تھا۔اس شاعر نے اس طرح کے گیت ترتیب دیے جن کو شادی بیاہ میں بلا تکلف گایا جا سکتا تھا۔میرا خیال ہے کہ رحیم خان دراس کا راجہ نہیں ہو سکتا۔یہ شخص ضرور گلگت کا راجہ رہا ہوگا اور یہ گیت وہی تخلیق پائے ہونگے اور جب لوگ نکل مکانی کر کے دراس پہنچے تو اپنے ثقافت کے ساتھ یہ گیت بھی دراس پہنچے ہوں اور سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچے ہوں۔آج بھی شادی کے اس سسٹم کو رحیلی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ان گانوں کی دوسری خاصیت یہ ہے کہ ان میں ایسی کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے جس سے کسی کا دل دُکھے۔ان گانوں میں عشق و محبت یا صنف نازک کی تعریف وغیرہ بھی نہیں ہے جس سے لوگ سمجھیں کہ ان گانوں سے اخلاقی گراوٹ آسکتی ہے۔اسی لیے اب تک ان گانوں میں سب سے کم اُنگلی اُٹھی ہے۔

ان گیتوں کو گانے کا طریقہ کچھ اس طرح تھا۔

دُلہے کو دُلہن کے گھر لایا جاتا تھا۔جہاں نکاح خوانی وغیرہ ہوتی تھی۔دُلہے کے ساتھ چار لوگ آتے تھے جنہیں مقامی زبان میں ''چھیلپے'' کہا جاتا تھا۔ان لوگوں کو شب بیداری کے دوران گانا ہوتا تھا اور گیت ترتیب وار گائے جاتے تھے۔پہلے گیت کا ایک بند ایک چھیلپو گاتا تھا اور اُسی بند کو محفل میں موجود کسی ایک آدمی کو دہرانا پڑتا تھا۔اس طرح گانا ڈبل ہو جاتا تھا۔اور ایک ہی گانے میں کافی وقت بیت جاتا تھا اسی لیے کوشش کی جاتی تھی کہ دُلہے کے ساتھ ایسے لوگ جائیں جو ان گیتوں میں ماہر ہوں۔

اب آئے چند گیتوں پر غور کرتے ہیں۔

گیت نمبرا

ان گانوں میں دُلہن کی تعریف ، دُلہے کی تعریف، دُلہے کے والدین کی تعریف ہوتی ہے۔

میر ہاری گاواتی وے پاری گاشاتی ۔
ملایوش تھے تاریا وولا وچالا روی ۔

میر ہاری گاواتی
چھوٹوسونیلی ہاری گاواتی وے پاری گاشاتی ۔
ملایوش تھے تاریا وولا وچالا روی

میر ہاری گاواتی
کھورے تینگیلی ہاری گاواتی وے پاری گا شاتی ۔
ملایوش تھے تاریا وولا وچالا روی ۔

میر ہاری گاواتی
کروئی کوموی ہاری گاواتی وے پاری گاشاتی ۔
ملایوش تھے تاریا وولا وچالا روی

میر ہاری گاواتی
بافو ربوائی باری ہاری گاواتی وے پاری گاشاتی ۔
ملایوش تھے تاریا وولا وچالا روی ۔

میرِ ہاری گاواتی

دونی ہال موتیک ہاری گاواتی وئے پاری گاشاتی۔

ملایوش تھے تا ریا وولا وجالا روی

میرِ ہاری گاواتی

شاکے شیلیلی ہاری گاواتی

وئے پاری گاشاتی۔

ملایوش تھے تا ریا وولا وجالا روی۔

میرِ ہاری گاواتی

شینگے گا موکھیلی ہاریگاواتی وئے پاری گاشاتی۔

ملایوش تھے تا ریا وولا وجالا روی۔

ترجمہ:۔

میری مینا آ گئی لیکن پانی کے اُس پار رہ گئی۔بڑے ادب سے اس پار لے آو بھائیو۔

میری مینا کا تاج سونے کا ہے لیکن پانی کے اُس پار رہ گئی بڑے ادب سے اس پار لے آو بھائیو

میری مینا کے پیروں کے ناخن نگینے جیسے ہیں لیکن پانی کے اُس پار رہ گئی۔بڑے ادب سے اس پار لے آو بھائیو

میری مینا کی چھاتی خوبصورت (بھورے رنگ کی) ہے۔لیکن پانی کے اُس پار رہ گئی بڑے ادب سے اس پار لے آو بھائیو۔

میری مینا کے بدن پہ گھنا پشمینہ ہے۔لیکن پانی کے اُس پار رہ گئی بڑے ادب سے اس پار لے آو بھائیو۔

میری مینا کے موتی جیسے دانت ہیں۔لیکن پانی کے اس پار رہ گئی بڑے ادب سے اس پار لے آو بھائیو۔

میری بینا آئی جس کے بازو جوہری ہیں ۔لیکن پانی کے اُس پار رہ گئی بڑے ادب سے اس پار لے آوو بھائیو

میری بینا آئی ۔جس کے سینگ نہایت قیمتی ہیں ۔لیکن پانی کے اُس پار رہ گئی ۔بڑے ادب سے اس پار لے آو بھائیو

اس گیت میں دُلہن کو بڑے ادب سے لانے کی بات کی جارہی ہے ۔اور دُلہن کی بڑے فلسفیانہ انداز سے تعریف کی جارہی ہے ۔دُلہن کے جسم کی خوبصورت انداز سے تعریف ہورہی ہے اور خوبصورت تشبیہات و استعارات کا استعمال کیا گیا ہے ۔

ان گانوں میں اکثر پہاڑی بکرے کے جسم کی خاصیت کا بیان ہوتا ہے اور دُلہا یا دُلہن کو اس پہاڑی بکرے کے جسم کے حصوں کی خاصیت کے مطابق تشبیح دی جاتی ہے ۔جس طرح پہاڑی بکرے کے گھنے بال ہوتے ہیں ۔ پہاڑی بکرے کے سینگ بڑے تیز ہوتے ہیں دُم بڑی سیدھی ہوتی ہے، کُھر بڑے خوبصورت ہوتے ہیں ۔یہی صفات دُلہا اور دُلہن میں بھی نظر آتی ہیں ۔جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے کے انسانوں کو پہاڑی بکروں یا پہاڑی جانوروں سے کتنی رغبت تھی ۔ یہ رغبت انہیں شکار کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی کیونکہ یہ لوگ بہت اچھے شکاری تھے ۔

گیت نمبر۲۔

لیکن مندرجہ ذیل گانا کچھ ہٹ کر ہے ۔ذرا غور فرمائیں

آبافوریڈ ژازرآ آفور تھے گی بوجیم ۔
آبافوریڈ ژازرآ آجل تھے گی بوجیم ۔

آبافوریڈ ژازرینیل گا کٹالی ۔
آبافوریڈ ژازرآ آفور تھے گی بوجیم ۔

آبا فو رِیْ ژ ازر کردو ایرالی ۔
آبا فو رِیْ ژ ازرآ آفو رتھے گی بوجیم ۔

آبا فو رِیْ ژ ازر کشمیر گا رِیناٹی ۔
آبا فو رِیْ ژ ازرآ آفو رتھے گی بوجیم ۔

آبا فو رِیْ ژ ازر چنگبل گا یشاری ۔
آبا فو رِیْ ژ ازرآ آفو رتھے گی بوجیم ۔

آبا فو رِیْ ژ ازر بازر گا مولالی ۔
آبا فو رِیْ ژ ازرآ آفو رتھے گی بوجیم ۔

آبا فو رِیْ ژ ازر شونیو رے تھالیس ۔
آبا فو رِیْ ژ ازرآ آفو رتھے گی بوجیم ۔

آبا فو رِیْ ژ ازر چونو رے تھالیس ۔
آبا فو رِیْ ژ ازرآ آفو رتھے گی بوجیم ۔

ترجمہ:۔
اس پشمینہ کی چادر کو اوڑھ کر لے جاوں گا ۔
اس پشمینہ کی چادر کو لپیٹ کر لے جاوں گا ۔

یہ پشمینہ کی چادر جس کی کتائی لیہہ میں ہوئی تھی ۔اس پشمینہ کی چادر کواوڑھ کر لے جاوں گا۔
یہ پشمینہ کی چادر جس کی بُنائی اسکردو میں ہوئی تھی اس پشمینہ کی چادر کواوڑھ کر لے جاوں گا۔
یہ پشمینہ کی چادر جس کی رنگائی کشمیر میں ہوئی ہے ۔اس چادر کواوڑھ کر لے جاوں گا۔
یہ پشمینہ کی چادر جس میں چنگ تھنگ کا پشمینہ ملا ہوا ہے ۔اس چادر کواوڑھ کر لے جاوں گا
یہ پشمینہ کی چادر جو بازار میں انمول ہے ۔اس چادر کواوڑھ کر لے جاوں گا۔
یہ پشمینہ کی چادر جو نو جوان دوشیزاوں کے لئے خاص ہے ۔اوڑھ کر لے جاوں گا۔
یہ پشمینہ کی چادر جو چھوٹوں کے لئے خاص ہے ۔اس چادر کواوڑھ کر لے جاوں گا۔

اس گیت میں دُلہن کو پشمینہ کی چادر سے تشبیح دی گئی ہے ۔اور ساتھ میں یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اس پشمینہ کی چادر کی کتائی سے لیکر رنگائی تک کتنے مرحلوں سے گذرنا پڑتا تھا اور کہاں کہاں اس کام کو انجام دیا جاتا تھا ۔اس گیت میں اُن مشہور جگہوں کا بھی ذکر ہے جہاں یہ مختلف اُمور کے انجام دینے کے لئے ماہر لوگ موجود تھے ۔

گیت نمبر۳

کیل تو نے چاریاڈو گا آوے گافو لولا وکھیو
کیل تو نے چاریا کیل گالی ریوؤ ساؤ
کیل تو نے چاریاڈو گا ماکھوتی کھیاک
کیل تو نے چاریا کیل گالی ریوؤ ساؤ
کیل تو نے چاریاڈو گا شوچی چھیلی کھیاک
کیل تو نے چاریا کیل گالی ریوؤ ساؤ
کیل تو نے چاریاڈو گا بوتیاو گا زالا زرو

کیل تو نے چاریا کیل گا ملی ریوڑ سائو

کیل تو نے چاریا جو گا بافور گا بوائے بارو

کیل تو نے چاریا کیل گا ملی ریوڑ سائو

کیل تو نے چاریا جو گا دونی گا ہالل موتیک

کیل تو نے چاریا کیل گا ملی ریوڑ سائو

کیل تو نے چاریا جو گا کروے گا کوموموو

کیل تو نے چاریا کیل گا ملی ریوڑ سائو

کیل تو نے چاریا جو شینگے گا موکھیلو

کیل تو نے چاریا کیل گا ملی ریوڑ سائو

کیل تو نے چاریا جو گا شلیلے شا کو جا

کیل تو نے چاریا کیل گا ملی ریوڑ سائو

کیل تو نے چاریا جو گا لاموٹو لو جو میلو

کیل تو نے چاریا کیل گا ملی ریوڑ سائو

کیل تو نے چاریا جو گا کھورے گا تی لینگے لو

کیل تو نے چاریا کیل گا ملی ریوڑ سائو

کیل تو نے چاریا جو گا آوے تو فو لو لا و کھیاک

کیل تو نے چاریا کیل گا ملی ریوڑ سائو

ترجمہ:۔

اے پہاڑی بکرا تو کیوں نہیں چر رہا ہے۔کیا تو نے آوے پھوڑلاو تو نہیں کھایا ہے۔تم تو موت کے قریب ہو گئے

ہو۔

اے پہاڑی بکرا تو کیوں نہیں چر رہا ہے ۔کیا تو نے ماکھوتی تو نہیں کھایا ہے ۔تم تو موت کے قریب ہو گئے ہو۔

اے پہاڑی بکرا تو کیوں نہیں چر رہا ہے ۔کیا تو نے پاک جونیپر تو نہیں کھایا ہے ۔تم تو موت کے قریب ہو گئے ہو۔

اے پہاڑی بکرا تو کیوں نہیں چر رہا ہے ۔تم تو بہت ہی تیز تھے ۔تم تو موت کے قریب ہو گئے ہو۔

اے پہاڑی بکرا تو کیوں نہیں چر رہا ہے ۔تمہارے جسم میں تو بارہ گھنا پشمینہ ہے ۔تم تو موت کے قریب ہو گئے ہو۔

اے پہاڑی بکرا تو کیوں نہیں چر رہا ہے ۔تمہارے دانت تو موتیوں جیسے ہیں ۔تم تو موت کے قریب ہو گئے ہو۔

اے پہاڑی بکرا تو کیوں نہیں چر رہا ہے ۔تمہاری چھاتی تو بھورے رنگ کی ہے ۔تم تو موت کے قریب ہو گئے ہو۔

اے پہاڑی بکرا تو کیوں نہیں چر رہا ہے ۔تمہارے سینگ تو بہت ہی تیز ہیں ۔تم تو موت کے قریب ہو گئے ہو۔

اے پہاڑی بکرا تو کیوں نہیں چر رہا ہے ۔تمہارے بازو تو جوہری ہیں ۔تم تو موت کے قریب ہو گئے ہو۔

اے پہاڑی بکرا تو کیوں نہیں چر رہا ہے ۔تمہاری دُم تو لوچوم جیسی ہے ۔تم تو موت کے قریب ہو گئے ہو۔

اے پہاڑی بکرا تو کیوں نہیں چر رہا ہے ۔تمہارے ناخن تو نگینے جیسے ہیں ۔تم تو موت کے قریب ہو گئے ہو۔

اس گیت میں پھر سے ان کا رجحان پہاڑی بکرے کے اوصاف کی طرف جاتا ہے اور پہاڑی بکرے کے جسم کی تعریف ہوتی ہے ۔دراصل یہ گیت دُلہے کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔جب دُلہا نازنخرہ دکھاتا ہے ۔اور کھانا نہیں کھاتا ہے تو اُسے بتایا جاتا ہے کہ تو کھانا کیوں نہیں کھا رہا ہے ۔اور ساتھ میں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ پہاڑی بکرہ کن کن موقعوں پر گھاس نہیں چرتا اور کمزوری کی وجہ سے مر جاتا ہے ۔

اس گیت میں چار قسم کے گھاس کا ذکر ہے جو پہاڑی بکرے کے گھاس نہ چرنے کا سبب بنتے ہیں۔

آوےیہ پھولاو:۔ ایک قسم کا گھاس جس میں پانی نہ لگا ہو۔جو بہت کھٹی ہوتی ہے جس کے کھانے سے یادداشت چلی جاتی ہے ۔

چھیلی:۔ جونیپر ۔جو بہت ہی کھٹی ہوتی ہے ۔تازہ جونیپر بھی شائید گھاس چھڑانے کا سبب بنتی ہو۔

ماکھوتی:۔ ایک قسم کا پھول ۔کہا جاتا ہے کہ اس پھول کے کھانے سے بیہوشی طاری ہو جاتی ہے ۔

لونگلوم:۔

ایک قیمتی پتھر۔جو بطور زیور استعمال ہوتا ہے۔

گیت نمبر۳

یہ گیت بھی ذراہٹ کر ہے۔اس گیت کا صحیح اور مناسب ترجمہ کرنا ممکن نہیں ہو پا رہا ہے۔

نالامون نے لی سس جُے سینگ سنگ گاسروجا۔
نالامون نے لی سس بال بل تو توئیں نالامون۔
نالامون نے لی سس جُے بیل بل پُھالاروجا۔
نالامون نے لی سس بال بل تو توئیں نالامون۔
نالامون نے لی سس جُے دودے گابیر یلیٹو جا۔
نالامون نے لی سس بال بل تو توئیں نالامون۔
دولوپون نے لی سس جُے گا دودی گاچھی لی لی گی۔
دولوپون نے لی سس بال بل تو توئیں نالامون۔
دولوپون نے لی سس جُے گا ڈل ڈل گاوالا لے تا۔
دولوپون نے لی سس بالی بل تو توئیں دولوپون۔
دولوپون نے لی سس جُے گااوتی امبر والا لے تا۔
دولوپون نے لی سس بالی بل تو توئیں دولوپون۔
دولوپون نے لی ساس جُے گاما کھوتی والا لے تا۔
دولوپون نے لی سس بالی بل تو توئیں دولوپون۔
دولوپون نے لی ساس جُے گاشریال گاوالا لے تا۔
دولوپون نے لی سس بالی بل تو توئیں دولوپون۔

نالاٹون نے لی سس جْ گا کوچے گا ملی ٹو جا۔
نالاٹون نے لی سس بال بل تو تو ئیں نالاٹون۔
نالاٹون نے لی سس جْ گا چھی کی گا بائیں کھاری۔
نالاٹون نے لی سس بال بل تو تو ئیں نالاٹون۔
نالاٹون نے لی سس جْ گا سوپئی گا کیلیٹو جا۔
نالاٹون نے لی سس بال بل تو تو ئیں نالاٹون۔
نالاٹون نے لی سس جْ گا سو جے گا شلا یو جا۔
نالاٹون نے لی سس بال بل تو تو ئیں نالاٹون۔
نالاٹون نے لی ساس جْ گا پوشیلے ایشو جا۔
نالاٹون نے لی سس بال بل تو تو ئیں نالاٹون۔

ترجمہ:۔

اے بہن تجھے بھرے ہوئے خوبصورت سمندروں میں بھگو دیں گے۔اے بہن تجھے ہی بھگو دیں گے۔
اے بہن تجھے بل کھاتے ہوئے جھرنوں میں بھگودیں گے۔اے بہن تجھے ہی بھگو دیں گے۔
اے بہن تجھے ہم دودھ کے تالابوں میں بھگودیں گے۔اے بہن تجھے ہی بھگودیں گے۔۔
اے بہن تجھے ہم ڈل ڈل کی دھونی سے پاک کردیں گے۔اے بہن تجھے ہی دھونی سے پاک کردیں گے۔
اے بہن تجھے ہم جونیپر کی دھونی سے پاک کردیں گے۔اے بہن تجھے ہی دھونی سے پاک کردیں گے۔
اے بہن تجھے ہم اوتی امیر کی دھونی سے پاک کردیں گے۔اے بہن تجھے ہی دھونی سے پاک کردیں گے۔
اے بہن تجھے ہم ماکھوتی کی دھونی سے پاک کردیں گے۔اے بہن تجھے ہی دھونی سے پاک کردیں گے۔
اے بہن تجھے ہم شریال کی دھونی سے پاک کردیں گے۔اے بہن تجھے ہی دھونی سے پاک کردیں گے۔

اے بہن تجھے نچاووں گا گاوں کے میدانوں میں ۔اے بہن تجھے ہی نچاووں گا۔
اے بہن تجھے نچاووں کستوری کے پیڑ کے نیچے ۔اے بہن تجھے ہی نچاووں گا۔
اے بہن تجھے نچاووں گا پاک پتھر کی سل پہ ۔اے بہن تجھے ہی نچاووں گا۔
اے بہن تجھے نچاووں گا پاک پہاڑوں پہ ۔اے بہن تجھے ہی نچاووں گا۔
اے بہن تجھے نچاووں گا پھولوں جیسے کمروں میں ۔اے بہن تجھے ہی نچاووں گا۔

اس گیت میں دھونی دینے کا، بگھونے کا اور نچانے کا ذکر ہے۔

شمین دردلوگ جونیپر کو پاک مانتے تھے ۔اور کسی چیز کو پاک کرنے کے لیے جونیپر کی دھونی دی جاتی تھی ۔جیسے نیند نہ آنے پر بستر کو جونیپر کی دھونی سے پاک کرنا ۔دُلہن کے کپڑوں کو جونیپر کی دھونی سے پاک کرنا ۔مرد لوگ اُن کپڑوں کو بھی پاک کرتے ہیں جن میں شادی شدہ عورت کے پیر لگتے ہیں یا جن کپڑوں کے اوپر سے ہو کر شادی شدہ عورتیں گذرتی ہیں ۔اس گانے میں اُن تمام جڑی بوٹیوں کا ذکر ہے جس کو بطور خوشبو اور بطور دھونی کے استعمال کیا جاتا ہے جیسے

دُلدُل :۔　یہ ایک قسم کا گھاس ہوتا ہے جس کو دھونی کے بطور استعمال ہوتا ہے۔

ماکھوتی :۔　اس گھاس کے کھانے سے بے ہوشی طاری ہوتی ہے ۔لیکن جلانے سے خوشبو نکلتی ہے ۔اسی لیے یہ گھاس دھونی دینے کے لیے استعمال ہوتی تھی۔

اووتی امبر :۔　یہ ایک قسم کا موگا ہوتا ہے جو لال رنگ کا ہوتا ہے لڑکیاں اکثر اسے گلے میں پہن لیتی ہیں۔ جونیپر کے ساتھ اس موگے کو چھیل کر اس کے چھلکے بھی استعمال کیے جاتے ہیں ۔اس میں خوشبو نہیں ہوتی ۔لیکن دھونی دینے کے لیے اسے پاک مانا جاتا تھا۔

شریال :۔　یہ بھی ایک خوشبو دار گھاس ہوتا ہے اور دھونی دینے کے کام آتا ہے۔

دراصل بون مت مذہب کے اندر ان تمام چیزوں کی اہمیت تھی اور محافظ دیوی کو بُلانے کے لیے ان چیزوں کو جلا کر

دھونی دی جاتی تھی۔

اس کے بعد بھگونے کا ذکر بھی اس گیت میں ملتا ہے۔ یہ ان کے لباس کو تیار کرنے کا ایک طریقہ تھا۔لباس جس سے انہیں بہت محبت تھی اُسے کاتنے اور بُننے کے بعد اگلا مرحلہ پانی میں بھگونے کا تھا۔اس طرح پانی میں بھگو کر اسے اچھی طرح سے پیروں تلے روندا جاتا تھا۔جس سے کپڑا نکھر جاتا تھا۔اور مضبوط ہو جاتا تھا۔اس گیت میں دُلہن کو نکھارنے کے لیے اُسے بگھونے کا ذکر ملتا ہےاور بھگونے کے لیے پانی دودھ وغیرہ کا استعمال ہوتا ہے۔

اس بھگونے کا دوسرا فلسفہ یہ ہوسکتا ہے کہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ پریاں اکثر دودھ کے تالابوں میں نہاتی ہیں۔جو بہت ہی خوبصورت ہوتی ہیں۔اس لیے دُلہن کو بھگونے یا نہانے کے لیے دودھ کے تالاب فراہم کرنے کی بات کی جاتی ہے۔پُرانی کہانیوں میں کچھ پریوں کا ذکر یوں ملتا ہے کہ ایک پری کو ایک ظالم دیو مار دیتا ہے۔اور اُسے دفن کر دیتا ہےاس پری کے قبر پہ ایک درخت پیدا ہوتا ہے۔اس درخت کو کاٹ کر جلا دیا جاتا ہے۔جب اُس کے عاشق کو پتا چلتا ہےتو وہ اس راکھ کو جمع کر لیتا ہے۔اور دودھ کے تالاب میں لے جاتا ہے۔اس راکھ کو کئی دن وہاں بھگو کر رکھتا ہے۔اس کے بعد اس راکھ کو ایک گیلی سوٹی سے ہلکا ہلکا پیٹتا ہے۔جس کی وجہ سے راکھ کے بیچ ایک کان نظر آتا ہے۔اس کے بعد عاشق اس کان کو پکڑ کر کھینچ لیتا ہے کہ راکھ میں سے پری جھاگ اُٹھتی ہے۔اور کہتی ہے کہ آپ نے مجھے اس میٹھی نیند سے کیوں جگایا۔اس کہانی سے پتا چلتا ہے کہ دودھ کو زندگی کا سب سے بڑا اجُو مانا جاتا تھا۔جس طرح ایک چھوٹا بچہ دودھ پی پی کر بڑا ہوتا ہےاسی طرح دودھ زندگی کے ہر پہلو کو نکھار دیتا ہے۔اور بے جان چیزوں میں بھی جان ڈالتا ہے۔

اس گانے میں نچانے کا بھی ذکر ملتا ہے۔پہلے زمانے کے لوگ ناچ گانے کے بڑے شوقین ہوتے تھے۔اور ناچ گانا بون مت کے مذہبی اُمور میں بھی شامل ہوتا تھا۔ناچ گانا ان کی محافظ دیویاں بھی پسند فرماتی تھیں۔اس کے علاوہ چھوٹے بچوں کو ہاتھوں میں اُٹھا کر نچاتے تھےاور گانے گاتے تھے۔اس طرح نچانے کو بہت زیادہ پیار ہونے کی علامت سمجھا جاتا تھا۔اس گانے میں دُلہن کو پاک پہاڑوں میں، کھلے میدانوں میں، پتھر کی سلوں وغیرہ میں نچایا جاتا ہے۔دراصل اس گیت میں دُلہن کے روپ میں محافظ دیوی نظر آتی ہے۔اور اُسے کبھی دھونی دیکر راضی کیا جاتا

ہے۔کبھی دودھ کے تالابوں میں نہلایا جاتا ہے۔تو کبھی پہاڑوں میں نچا کر خوش کیا جاتا ہے۔یہ اُس زمانے کے کلچر کی ایک خوبصورت جھلک پیش کرتا ہے۔

چند الفاظ کی تشریح:۔

پوشیلیے ایشے:۔ شینا زبان میں نچلی منزل کے کمرے کو کوش کہا جاتا ہے۔اوراوپر کی منزل کے کمرے کوایش کہا جاتا ہے۔نچلی منزل کے کمرے میں سرما کے دوران بیٹھتے تھے۔جبکہ اُوپری منزل یا ایش گرمیوں کے دوران بیٹھنے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔اب اگر کوئی اُوپر کے منزل کا کمرہ کھلا اور صاف سُتھرا ہوتا تھا اُسے پھول سے تشبیح دی جاتی تھی۔

کوپچے مٹے:۔ یہ ایک پُرانا لفظ ہے۔جو اس وقت استعمال نہیں ہوتا۔دراصل بستی کے کھلے میدانوں کے لیے اس لفظ کو استعمال کیا جاتا تھا۔

سوپئی کین:۔ یہ بھی ایک پُرانا لفظ ہے دراصل یہ ایک پتھر کی سِل ہوتی تھی جسے پاک مانا جاتا تھا۔اوراس سِل کے اُوپر مذہبی اُمور ادا کیے جاتے تھے۔یا سوپ کسی شخص یا دیوتا کا نام بھی ہوسکتا ہے۔جن کے نام سے یہ پتھر منسوب ہے۔

چھیکی بیائیں:۔ کستوری کا درخت

گیت نمبر ۴

شو دا دوپوچھو کئی پاشوک داو۔
پلاشے جادریئی جھوک دینا۔

مالالوبی لالو کئی پاشوک داو۔
پلاشے جادریئی جھوک دینا۔

مالوشراٹو کئی پاشوک داو۔
پلاشے جادریئی جھوک دینا۔

جالا روبی لالو کئی پاشوک داو۔
پلاشے جادریئی جھوک دینا۔

سازیوشوراٹوک کئی پاشوک داو۔
پلاشے جادریئی جھوک دینا۔

پھرالی وے رے مؤ گیس کا کی۔
مالایوٹ میو گانے پشیس کا کی۔

سدے باوباوروئی آچھے شولین ۔
مالایونؕ مٔیو گانےؔ پاشیس کا کی ۔

ملایونؕ چنکپو یولی گاوکا کی ۔
مالایونؕ مٔیو گانےؔ پشیس کا کی ۔

تھولوروٹی کوموميائی ہائیں کا کی
ملایونؕ مٔیو نےؔ گاپشیس کا کی ۔

چلاموٹوسوٹے لوہَوں کا کی
مالایونؕ مٔیو گانےؔ پشیس کا کی ۔

باپھورربوائے باروہَوں کا کی ۔
ملایونؕ مٔیو گانےؔ پشیس کا کی ۔

کھورے تنؔلیے ہاں کا کی ۔
ملایونؕ مٔیو گانےؔ پشیس کا کی ۔

کروئی کوموی ہائیں کاکی ۔
ملایونٹ مٹیو گاتے پشیس کاکی ۔

شاکے شیلیلے ہاں کاکی ۔
ملایونٹ مٹیو گاتے پشیس کاکی ۔

لاموٹو لوجو میلوہوں کاکی ۔
ملایونٹ مٹیو گاتے پشیس کاکی ۔

ترجمہ:۔

سفید بزرگ کے پوتے نے پگھڑی باندھی لوگ اس پگھڑی کی کتنی عزت کرتے ہیں
ماں کے لاڈلے نے پگھڑی باندھی ہے ۔لوگ اس پگھڑی کی کتنی عزت کرتے ہیں۔
باپ کے پیارے نے پگھڑی باندھی ہے ۔لوگ اس پگھڑی کی کتنی عزت کرتے ہیں
بھائی کے لاڈلے نے پگھڑی باندھی ہے ۔لوگ اس پگھڑی کی کتنی عزت کرتے ہیں
بہن کے پیارے نے پگھڑی باندھی ہے ۔لوگ اس پگھڑی کی کتنی عزت کرتے ہیں
اے بہن میں جھرنے میں پانی لانے گئی لیکن میرا طوطا نظر نہیں آیا۔
وہاں رورو کر میری آنکھیں بیمار پڑھ گئیں ۔لیکن میرا طوطا نظر نہیں آیا۔
میرا طوطا کہیں چانگ تھانگ کی دوشیزاووں کے پاس
تو نہیں چلا گیا۔میرا طوطا نظر نہیں آرہا ہے
میرے طوطے کی چونچ جوہری ہے ۔میرا طوطا نظر نہیں آرہا ہے۔
میرے طوطے کے سرپہ سونے کا تاج ہے ۔میرا طوطا نظر نہیں آرہا ہے۔

میرے طوطے کے جسم میں گھنے بال ہیں ۔میرا طوطا نظر نہیں آ رہا ہے ۔

میرے طوطے کے ناخن نگینے جیسے ہیں ۔میرا طوطا نظر نہیں آ رہا ہے ۔

میرے طوطے کی چھاتی خوبصورت ہے ۔میرا طوطا نظر نہیں آ رہا ہے ۔

میرے طوطے کے بازو جوہری ہیں ۔میر طوطا نظر نہیں آ رہا ہے ۔

میرے طوطے کی دُم لوبُووم کی طرح قیمتی ہے ۔میرا طوطا نظر نہیں آ رہا ہے ۔

اس گیت کے دو حصے ہیں ۔پہلے حصے میں دُلہے کے پگھڑی کی تعریف ہو رہی ہے ۔پگھڑی یہاں کے لوگ بڑی شان سے باندھتے تھے ۔اور پگھڑی یہاں کے کلچر کا ایک حصہ تھی اسلام سے پہلے بھی پگھڑی کا رواج تھا ۔اسی لیے پُرانے زمانے کی تصویروں میں لوگ پگھڑی پہنتے نظر آتے ہیں ۔دُلہے کو بھی پگھڑی بڑے دھوم دھام کے ساتھ پہنائی جاتی تھی ۔پگھڑی کے لیے سفید رنگ کے مل مل کا کپڑا اور ٹوپی سرینگر سے مخصوص منگایا جاتا تھا ۔جب دُلہا پگھڑی باندھتا تھا اور پگھڑی کے اوپر چادر ڈال دیتا تو لوگ مبارکبادی کے لیے حاضر ہو جاتے تھے ۔اس وقت دُلہے کے رشتہ دار اور گھر والوں کو جو خوشی ملتی تھی وہ نا قابلِ بیان ہے ۔اس گانے میں اسی منظر کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔

گیت کے دوسرے حصے میں محبوب کی جدائی کا بیان ہو رہا ہے ۔عورت اپنے محبوب کے نہ ملنے سے پریشان نظر آ رہی ہے ۔گیت میں نسوانی جذبات اور زبان کا خاص خیال رکھا گیا ہے ۔عورت کو اپنے محبوب میں وہ تمام خوبیاں نظر آ رہی ہیں جو طوطے میں ہوتی ہیں ۔

لوبُوم:۔ ایک قیمتی پتھر ۔جولڑکیاں بطور زیور کے استعمال کرتی ہیں

گیت نمبر ۵

کھرے کھن ژندو کے گارا کو جا۔
سدے بوائی چاوں لی گہ جوک ہانے

سدے اک چاوں لیک تو موزا روٗو
سدے بوائی چاوں لی گہ جوک ہانے

سدے اک چاوں لیک تو گھیا کاو
سدے بوائی چاوں لی گہ جوک ہانے

سدے اک چاوں لیک تو دودو کاوو
سدے بوائی چاوں لی گہ جوک ہانے

سدے اک چاوں لیک تو کھوکوٹ وو
سدے بوائی چاوں لی گہ جوک ہانے

سدے اک چاوں لیک تو موزویو
سدے بوائی چاوں لی گہ جوک ہانے

سدٚے اک چٚاوں لیک تو گی زی ریوو
سدٚے بوائی چٚاوں لی گہ جوک ہانے

سدٚے اک چٚاوں لیک تو ٹیکیو ہاوں و
سدٚے بوائی چٚاوں لی گہ جوک ہانے

سدٚے اک چٚاوں لیک تو حلبہ زٚو وو
سدٚے بوائی چٚاوں لی گہ جوک ہانے

سدٚے اک چٚاوں لیک تو پولا ووو
سدٚے بوائی چٚاوں لی گہ جوک ہانے

سدٚے اک چٚاوں لیک تو می یولی
سدٚے بوائی چٚاوں لی گہ جوک ہانے

سدٚے اک چٚاوں لیک تو بریوں ہاوں
سدٚے بوائی چٚاوں لی گہ جوک ہانے

سدے اک چاوں لیک تو مکائیو سد

ے بوائی چاوں لی گہ جوک ہانے

ترجمہ:۔

نیچے کھن ژندوک کے واز وانوں نے بارہ قسم کے چولہے چڑھائے ہیں۔

وہاں ایک چولہے میں گوشت پک رہا ہے۔وہاں بارہ قسم کے چولہے چڑھائے ہیں

وہاں ایک چولہے میں گھی پک رہا ہے۔وہاں بارہ قسم کے چولہے چڑھائے ہیں۔

وہاں ایک چولہے میں دودھ اُبل رہا ہے۔وہاں بارہ قسم کے چولہے چڑھائے ہیں۔

وہاں ایک چولہے میں مٹر پک رہا ہے۔وہاں بارہ قسم کے چولہے چڑھائے ہیں۔

وہاں ایک چولہے میں مسور دال پک رہا ہے۔وہاں بارہ قسم کے چولہے چڑھائے ہیں۔

وہاں ایک چولہے میں خمیری روٹی پک رہا ہے۔وہاں بارہ قسم کے چولہے چڑھائے ہیں۔

وہاں ایک چولہے میں عام روٹی بن رہی ہے۔وہاں بارہ قسم کے چولہے چڑھائے ہیں۔

وہاں ایک چولہے میں حلوہ بن رہا ہے۔وہاں بارہ قسم کے چولہے چڑھائے ہیں۔

وہاں ایک چولہے میں پولاو پک رہا ہے۔وہاں بارہ قسم کے چولہے چڑھائے ہیں۔

وہاں ایک چولہے میں چربی پک رہی ہے۔وہاں بارہ قسم کے چولہے چڑھائے ہیں وہاں ایک چولہے میں چاول بن رہے ہیں۔وہاں بارہ قسم کے چولہے چڑھائے ہیں

وہاں ایک چولہے میں مکی کی روٹی بن رہی ہے۔وہاں بارہ قسم کے چولہے چڑھائے ہیں۔

اس گیت میں دُلہن کے گھر میں بنے پکوانوں کی تعریف ہو رہی ہے۔اس گانے میں یہ دکھانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ یہ کوئی عام شادی نہیں ہے اس میں بارہ قسم کے کھانے بن رہے ہیں۔اس گیت سے پتہ چلتا ہے کہ اُس زمانے

میں لوگ کس قسم کا کھانا استعمال کرتے تھے۔ اور کون کون سے پکوان مشہور تھے۔

کھن ژندوک:۔ دُلہن کے باپ کا لقب۔

گیت نمبر۶

کھرے کو جیل کومے جا گیس کا کی
سدے بوائے مرانیے گا جوک ہیے

سدے اک مارانیک تو یووو ہایں۔
سدے بوائے مارانیے گا جوک ہایے

سدے اک مارانیک تو موزوریو۔
سدے بوائے مارانیے گا جوک ہایے

سدے اک مارانیک تو گومٔو ہایں۔
سدے بوائے مارانیے گا جوک ہایے

سدے اک مارانیک تو کھوکوٗو۔
سدے بوائے مارانیے گا جوک ہایے

سدے اک مارانٹیک تو باراوو۔
سدے بوائے مارانٹیے گا جوک ہایے

سدے اک مارانٹیک تو مکایو۔
سدے بوائے مارانٹیے گا جوک ہایے

سدے اک مارانٹیک تو برٹو وں ہایں ۔
سدے بوائے مارانٹیے گا جوک ہایے

سدے اک مارانٹیک تو اوٹو ہایں ۔
سدے بوائے مارانٹیے گا جوک ہایے

سدے اک مارانٹیک تو موٹھو ہایں۔
سدے بوائے مارانٹیے گا جوک ہایے

سدے ایک مارانٹیک تو آیاوو۔
سدے بوائے مارانٹیے گا جوک ہایے

ترجمہ:۔

میں کوجیل گُوم میں چلی گئی تو دیکھا کہ وہاں بارہ قسم کی گچھیاں ہیں ۔
وہاں ایک گچھی جَو کی ہے ۔وہاں تو بارہ قسم کی گچھیاں ہیں ۔
وہاں ایک گچھی مُسور کی ہے۔وہاں تو بارہ قسم کی گچھیاں ہیں
وہاں ایک گچھی گندم کی ہے۔وہاں تو بارہ قسم کی گچھیاں ہیں
وہاں ایک گچھی مٹر کی ہے۔وہاں تو بارہ قسم کی گچھیاں ہیں
وہاں ایک گچھی باجرے کی ہے ۔وہاں تو بارہ قسم کی گچھیاں ہیں
وہاں ایک گچھی مکی کی ہے ۔وہاں تو بارہ قسم کی گچھیاں ہیں
وہاں ایک گچھی چاول کی ہے ۔وہاں تو بارہ قسم کی گچھیاں ہیں
وہاں ایک گچھی جوار کی ہے ۔وہاں تو بارہ قسم کی گچھیاں ہیں
وہاں ایک گچھی مٹھو دال کی ہے ۔وہاں تو بارہ قسم کی گچھیاں ہیں
وہاں ایک گچھی زیرے کی ہے ۔وہاں تو بارہ قسم کی گچھیاں ہیں۔

اس گانے میں دُلہن کے کھیتوں میں اُگنے والے فصلوں کی تعریف کی گئی ہے ۔اس گیت میں یہ بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ کوئی عام دُلہن نہیں ہے بلکہ بڑی جاگیردار ہے ان کی بہت ساری کھیتی ہے جہاں یہ بارہ قسم کے فصل اُگاتے ہیں ۔پہلے زمانے میں فصل کٹائی کے دوران ایک تہوار منایا جاتا تھا۔جس میں نئی فصل کی ایک تازہ گچھی بنا کر گھر لایا جاتا تھا جسے شینا زبان میں مارنٔی کہا جاتا تھا۔اس گچھی کو آگ میں پکایا جاتا تھا اور اس کے بعد ہاتھوں سے مسل کے اس کے دانے الگ کئے جاتے تھے ۔اس کے بعد گھی کے ساتھ اس کو کھایا جاتا تھا اور نئی فصل تیار ہونے کی خوشی منائی جاتی تھی ۔اس لیے اس گانے میں بارہ قسم کی گچھیوں کا ذکر ہوا ہے ۔اس گانے سے پتہ چلتا ہے کہ اُس زمانے میں کھیتوں میں کون کون سی فصل اُگائی جاتی تھی ۔''مارنٔی'' لفظ کے استعمال سے یہاں صرف اُن فصلوں کا

ذکر ممکن ہوا ہے جن کی گچھی بن سکتی ہے ۔سبزیوں وغیرہ کا ذکر اس گانے میں ممکن نہیں ہے ۔کیونکہ سبزیوں کی مارائی نہیں بنتی ہے ۔لیکن کوشش بسیار کے باوجود بارہ قسم کے یہاں بننے والے فصلوں کو گننے میں کامیاب نہیں ہوا ۔لوگ اس میں اُن فصلوں کو بھی گنتے ہیں جو یہاں نہیں اُگتے تھے جیسے چاول ، چنا، وغیرہ ۔

کوجیل کوم :۔ دُلہن کے کھیتوں کا لقب

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب سویُم

چھیلچے گائے (باراتیوں کے گیت)

دُلہن کو اپنے گھر سے نکال کر دُلہے کے گھر پہنچانا بہت ہی مشکل کام تھا۔اس کام کے لیے دُلہے کی طرف سے چار لوگوں کو مقرر کیا جاتا تھا۔ان چار لوگوں کو دُلہن کے گھر رات کو
ٹھہرنا پڑتا تھا۔اور دُلہن کے گھر والوں کی تعریف میں زمین آسمان ایک کرنا پڑتا تھا۔بھاگ کر شادی کرنے کا رواج نہیں تھا۔دُلہن کو دُلہے کے گھر تک پہنچانے میں ان چار لوگوں کو سینکڑوں پاپڑ بیلنے پڑتے تھے۔ان لوگوں کا خیال تھا کہ ایک پرائی لڑکی کو اپنے ماں باپ بھائی بہن وغیرہ سے جُدا کر کے ایک دوسری جگہ لینا اتنا آسان نہیں۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُس زمانے کے لوگوں میں عورت کے لیے کتنی عزت تھی۔وہ لوگ عورت کو اپنے پیر کی جوتی نہیں سمجھتے تھے بلکہ گھر کی عزت و آبرو سمجھتے تھے۔اور اس عورت کو عزت اور
شان و شوکت کے ساتھ دُلہے کے گھر لے آتے تھے۔یہ وہ گیت ہیں جو ان چار لوگوں کو گاتے ہوئے دُلہن کو گھر سے لینا پڑتا تھا۔

لووگی:۔	پو پھٹنے کا گیت
کوتھوروگی:۔	چولہے کے پتھر کا گیت
چھی لیوگی:۔	جونیپر کا گیت
ہلیا لیے اُتھیاریونوگی:۔	دُلہن کو اُٹھانے کا گیت
بابے:۔	ودائی کا گیت
گلیوگی:۔	چوک کا گانا

ماپونیے گائے گاتے گاتے رات گذر جاتی تھی اس دوران ہنسی مذاق بھی ہوتا تھا۔اور دُلہے کے ساتھ آنے والے

افراد کو طرح طرح سے مذاقیہ طور ستایا جاتا تھا۔ جب پو پھٹتا تھا تو ان میں سے دو افراد جن کی پگھڑی میں لال نشان ہوتا تھا اور جن کے گردن سے ہوتے ہوئے کمر کی طرف ایک لال رنگ کا کمر بند (کسکی) لگی ہوتی تھی اُنہیں دُلہن کو تیار کرنے کے لیے جانا پڑتا تھا۔ جب ان کے جانے کا وقت ہوتا تھا تو دُلہن کی سہلیاں اور رشتہ دار گانے گا کر دُلہن کو تیار کرتے تھے۔

چھیلیؤ گئی (جونیپر کا گیت)

نی ہلالیؤ گہ ماؤ شابون وہ
دودو باؤ سے جوک گُنے چھیلیک شوئی ۔

نی سؤتی گہ میلوگی دنگ نیلی
وہ چھیلیو تو گؤن گہ جوک میٹھا وہوں۔

تھو گؤن گہ راجورے دنگ نیلی
وہ چھیلیو تو گون گہ جوک میٹھا وہوں۔

نی سوتی گہ میلوگی دنگ نیلی
وہ چھیلیو تو گؤن گہ جوک میٹھا وہوں۔

تھوگوُن گہ راموری دنگ نیلی
وہ چھیلیو تو گوُن گہ جوک میٹھاوہوں ۔

نی سوتی گہ میلوگی دنگ نیلی
وہ چھیلیو تو گوُن گہ جوک میٹھاوہوں ۔

ترجمہ

اے دُلہن کے والد میں آپ پر قربان ۔آپ کیا سوچ کر جونیپر کی دھونی دے رہے ہو۔
اے پاک صاف سرسبز جونیپر آپ کی خوشبو کتنی میٹھی ہے ۔
آپ کی خوشبو راجے بھی پسند کرتے ہیں ۔اے سرسبز جونیپر آپ کی خوشبو کتنی میٹھی ہے اے پاک صاف سرسبز جونیپر آپ کی خوشبو کتنی میٹھی ہے۔
آپ کی خوشبو تو امیروں کو بھی پسند ہے۔اے سرسبز جونیپر آپ کی خوشبو کتنی میٹھی ہے ۔
اے پاک صاف سرسبز جونیپر آپ کی خوشبو کتنی میٹھی ہے ۔

اس گانے میں دُلہن کا باپ کی دلی کیفیت کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔جب دُلہن کا باپ دُلہن کے کپڑوں کو دھونی دے رہا ہوتا ہے جنہیں پہن کر دُلہن وداع ہو جائے گی ۔جس لڑکی کو بچپن میں پال پوس کر بڑا کیا اُسی لڑکی کو آج کسی اور کے حوالے کر رہا ہے ۔ساتھ میں جونیپر کی تعریف بھی کی گئی ہے ۔اور جونیپر کے خوشبو کو بہترین خوشبو قرار دیا گیا ہے جو راجوں مہاراجوں اور عام لوگوں سب کو پسند ہے ۔

دُلہن کو تیار کرنے کا گانا

انی جوڑی چھیلی لیچھ گہ پھالے وہ
لمی لوٹھونگ بو وہ جولوڑی بیٹھے دانے بی ٹھے۔

انی جوڑی شے کواشرے گہ پھالے وہ
لمی لوٹھونگ بووہ جولوڑی بیٹھے دانے بی ٹھے۔

انی جوڑیے ملکول گہ پو یونے وہ
لمی لوٹھونگ بووہ جولوڑی بیٹھے دانے بی ٹھے۔

انی جوڑیے ملکول گہ لما لوکو وہ
لمی لوٹھونگ بووہ جولوڑی بیٹھے دانے بی ٹھے۔

انی جوڑیے ملکول گہ سر پا لوکو وہ
لمی لوٹھونگ بووہ جولوڑی بیٹھے دانے بی ٹھے۔

انی جوڑی چھی لی لیچھ گہ پھالے وہ
لمی لوٹھونگ بووہ جولوڑی بیٹھے دانے بی ٹھے۔

بے گہ جُبا روکلس کیے گہ پروایے وہ
لمی لوٹھونگ بووہ جولوٹی بیٹھے دانے پی ٹھے۔

بے گہ جُبا روپلاشے گہ پروالے وہ
لمی لوٹھونگ بووہ جولوٹی بیٹھے دانے پی ٹھے۔

بے گہ جُبا روڈکھامیہ گہ پروایے وہ
لمی لوٹھونگ بووہ جولوٹی بیٹھے دانے پی ٹھے۔

بے گہ جُبا رو پھرولو کے گہ پروایے وہ
لمی لوٹھونگ بووہ جولوٹی بیٹھے دانے پی ٹھے۔

ترجمہ:

اے بوجھ پتر کا پیڑ باراتی پہنچ چکے ہیں ہلو۔اے بوجھ پتر کا پیڑ۔ہلو گی یا نہیں ہلو گی۔
اے بوجھ پتر کا پیڑ سفید گدھ پہنچ چکے ہیں ہلو۔اے بوجھ پتر کا پیڑ۔ہلو گی یا نہیں ہلو گی۔
اے بوجھ پتر کا پیڑ تمہارے ماں باپ تو بہت ہی امیر ہیں ہلو۔اے بوجھ پتر کا پیڑ۔ہلو گی یا نہیں ہلو گی۔
اے بوجھ پتر کا پیڑ تمہاری جڑیں تو لم لوک تک پہنچی ہوئی ہیں ہلو۔اے بوجھ پتر کا پیڑ۔ہلو گی یا نہیں ہلو گی۔
اے بوجھ پتر کا پیڑ تمہاری جڑیں تو سرپالوک تک پہنچی ہوئی ہیں ہلو۔اے بوجھ پتر کا پیڑ۔ہلو گی یا نہیں ہلو گی۔
اے بوجھ پتر کا پیڑ باراتی پہنچ چکے ہیں ہلو۔اے بوجھ پتر کا پیڑ۔ہلو گی یا نہیں ہلو گی۔

ہم بھائیوں کے کمر بند (کسکی) دیکھو تو برابر برابر ہیں ہلو ۔ ہلو گی یا نہیں ہلو گی ۔
ہم بھائیوں کے پگھڑ یاں دیکھو تو برابر برابر ہیں ہلو ۔ ہلو گی یا نہیں ہلو گی ۔
ہم بھائیوں کے کمر دیکھو تو برابر برابر ہیں ہلو ۔ ہلو گی یا نہیں ہلو گی ۔
ہم بھائیوں کے پھرو کے دیکھو تو برابر برابر ہیں ہلو ۔ ہلو گی یا نہیں ہلو گی ۔

اس گانے کو دُلہن کو تیار کرنے کے لیے گایا جاتا تھا ۔ اس گانے میں دُلہن کو بوجھ پتر کے پیڑ سے تشبیح دی گئی ہے ۔ جس طرح بوجھ پتر کا پیڑ سخت ہوتا ہے اُسے ہلانا اتنا آسان نہیں ہے اسی طرح ایک لڑکی کو جس کا بچپن لڑکپن وغیرہ اپنے ماں باپ کے گھر میں گذرا ہو ۔ وہاں سے اُٹھا کر کسی دوسرے گھر لے جانا اتنا آسان نہیں ہے ۔ باراتیوں کو سفید گد سے تشبیح دی گئی ہے جو اپنے شکار کو آسانی سے نہیں چھوڑتے ۔ گیت کے دوسرے حصے میں باراتیوں کے لباس پہ بھی تبصرہ کیا گیا ہے ۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ باراتی کس قسم کا لباس پہنتے تھے ۔ اس گانے کو گاتے وقت باراتی بے خود ہو کرنا چتے تھے ۔ جس سے اُن کا ہر ایکشن مل جاتا تھا ۔

لم لوک :۔ لگتا ہے کہ یہ ایک سنسکرت لفظ ہے ۔ جس طرح دیولوک دیوں کی دُنیا کو کہتے ہیں ۔ اور سرپا لوک انسانوں کی دُنیا کو کہتے ہیں اسی طرح لم لوک بھی کسی اور دُنیا کی طرف اشارہ کرتے ہیں ۔

پھرو کے :۔ پھروک کی جمع ۔ لداخی لباس کی طرح پٹو کا بنا ہوا ایک لباس ہے ۔ پٹو کو دھونے اور رنگنے کے بعد کسی کانٹے سے سہلایا جاتا ہے جس سے اس میں اون کے ہلکے ہلکے ریشے خوبصورت انداز میں اُٹھنے لگتے ہیں ۔ پُرانے زمانے میں اسے امیروں کا لباس تصور کیا جاتا تھا اور بہت زیادہ پسند کیا جاتا تھا ۔

رخصتی کا گانا

یہ گانا دُلہن کو وداع کرتے وقت گایا جاتا ہے اس گانے کے فوراً بعد لڑکی اپنے ماں باپ، گھر والوں اور رشتہ داروں سے مخصوص انداز سے رخصت لیتی ہے۔

نی بلالیو مالو شابون وہ شونٹی گاچھے نی
جوک کونے رخصت شوی ہَر۔

نی دودی گا آجے وہ شونٹی گاچھے نی
جوک کونے رخصتیک شوی ہَر۔

نی شونیے سازارے وہ شونٹی گاچھے نی
جوک کونے رخصتیک شوی ہَر۔

نی شونٹے گاٹھارو وہ شونٹی گاچھے نی
جوک کونے رخصتیک شوی ہَر۔

نی شونٹے پارولے وہ شونٹی گاچھے نی
جوک کونے رخصتیک شوی ہَر۔

نی درباٹی گی کھنؕ دوئیل نے
وہ شونٔی گاچیے نی پون پوشیلی بونی ۔

نی پتھارگی داس دوئیل نے
وہ شونٔی گاچیے نی ۔پون پوشیلی بونی ۔

نی پلایولے داسورے ۔
وہ شونٔی گاچیے نی ۔پون پوشیلی بونی ۔

ترجمہ:۔
اے دُلہن کے باپ، دُلہن کو وِدائی کا غم ستا رہا ہے ۔آپ کیا سوچ کے رخصت دو گے ۔
اے دُلہن کی ماں، دُلہن کو ودائی کا غم ستا رہا ہے ۔آپ کیا سوچ کے رخصت دو گے ۔
اے دُلہن کی بہنو ، دُلہن کو ودائی کا غم ستا رہا ہے ۔آپ کیا سوچ کے رخصت دو گے ۔
اے دُلہن کے بھائیو، دُلہن کو ودائی کا غم ستا رہا ہے ۔آپ کیا سوچ کے رخصت دو گے ۔
اے دُلہن کی ہمجولیو، دُلہن کو ودائی کا غم ستا رہا ہے ۔آپ کیا سوچ کے رخصت دو گے ۔
آج چوکھٹ پہاڑ جیسی لگ رہی ہے اور دُلہن کو ودائی کا غم ستا رہا ہے ۔دُعا ہے کہ راستہ خیرت سے طے ہو
کمرے کا فرش میدان جیسا لگ رہا ہے اور دُلہن کو ودائی کا غم ستا رہا ہے ۔دُعا ہے کہ راستہ خیرت سے طے ہو۔
ان طویل میدانوں میں چلنے کے لیے دُلہن کو ودائی کا غم ستا رہا ہے ۔دُعا ہے کہ راستہ خیرت سے طے ہو۔
گانے میں دُلہن کے دلی جذبات کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔دُلہن کو گھر کی چوکھٹ پار کرنا مشکل

ثابت ہو رہا ہے ۔کبھی گھر کی چوکھٹ پہاڑ جیسی نظر آتی ہے اور کبھی گھر کا فرش ایک نہ ختم ہونے والا میدان نظر آتا ہے ۔ دُلہن اپنے ماں باپ سے جُدا ہونا نہیں چاہتی ۔لیکن افسوس یہ کیسی مجبوری ہے ۔یہ کیسی رسم ہے کہ ہر کسی کو چھوڑ کر آخر جانا پڑتا ہے۔ گانا گاتے ہوئے دُلہن کو باپ کے پاس، ماں کے پاس، بہنوں کے پاس، بھائیوں کے پاس اور اپنی سہلیوں کے پاس لیا جاتا ہے۔ اور مخصوص انداز سے رخصت لیا جاتا ہے ۔اس دوران بہت ہی عجیب سا منظر ہوتا ہے ہر طرف سے رونے کی آوازیں آتی ہیں ۔لڑکی جن گانوں کے ذریعے رخصت لیتی ہے اُنہیں بابے کہتے ہیں

بابے

یا جووہ بابو
پتھار گی داس دوئیل نے وہ بابو ۔

یا جووہ بابو
درہٹی گی کھن دوئیل نے وہ بابو ۔

یا جووہ اجے
پتھار گی داس دوئیل نے وہ اجے

یا جووہ اجے
درہٹی گی کھن دوئیل نے وہ اجے ۔

یا جووہ دودے سزارے
پتھارگی داس دوئیل نے وہ سزارے۔

یا جووہ دودیے سزارے
دربٹی گی کھش دوئیل نے وہ سزارے۔

یا جووہ ددے جُبا روی
پتھارگی داس دوئیل نے وہ جُبا رو

یا جووہ دودے جُبا اروی
دربٹی گی کھش دوئیل نے وہ جُبا ارو۔

یا جووہ میے پارو لیے
پتھارگی داس دوئیل نے وہ پارو لیے۔

یا جووہ بابو
دربٹی گی کھش دوئیل نے وہ پارو لیے۔

ترجمہ:۔

الوداع اے میرے والد۔آج مجھے گھر کی چوکھٹ پہاڑ جیسی لگ رہی ہے۔

الوداع اے میرے والد آج مجھے گھر کا فرش میدان جیسا لگ رہا ہے۔

الوداع اے میری والدہ۔آج مجھے گھر کی چوکھٹ پہاڑ جیسی لگ رہی ہے۔

الوداع اے میری والدہ آج مجھے گھر کا فرش میدان جیسا لگ رہا ہے۔

الوداع اے میری پیاری بہنو۔آج مجھے گھر کی چوکھٹ پہاڑ جیسی لگ رہی ہے۔

الوداع اے میری پیاری بہنو۔آج مجھے گھر کا فرش میدان جیسا لگ رہا ہے۔

الوداع اے میرے پیارے بھائیو۔آج مجھے گھر کی چوکھٹ پہاڑ جیسی لگ رہی ہے۔

الوداع اے میرے پیارے بھائیو۔آج مجھے گھر کا فرش میدان جیسا لگ رہا ہے۔

الوداع اے میرے والد۔آج مجھے گھر کی چوکھٹ پہاڑ جیسی لگ رہی ہے۔

الوداع اے میرے والد آج مجھے گھر کا فرش میدان جیسا لگ رہا ہے۔

لڑکی ہر ایک کے پاس جاتی ہے اور اسی طرح رخصت لیتی ہے۔ایک ایک سے رخصت لینے کا یہ عمل بڑا ہی کٹھن ہے ۔اس کے علاوہ موقع اور محل کے حساب سے اس میں ضرورت کے مطابق بند جوڑے جاتے ہیں۔

جب لڑکی رخصت لے رہی ہوتی ہے تو ایک باراتی کو اندر رکھا جاتا ہے اور دوسرے کو جان بوجھ کے باہر چھوڑ دیا جاتا ہے۔جس کے بعد اندر والے باراتی کو تب تک نہیں چھوڑا جاتا جب تک ایک مخصوص گانا نہ گائے۔

کیل گہ کیے رٹیلو لا کیلی میا رومیئ دانٔو۔

کھورے تیئیلو کیلی میا رومیئ دانٔو۔

بافو ربوائے بارو کیلی میا رو میئ دانٔو۔

دونی ہل موتیک کیلی میا رومیئ دانٔو۔

کروئی کُمو مو کیلی میارو میئ داٹھو ۔
شاکے شیلیو کیلی میارو میئ داٹھو ۔

ترجمہ:۔
اے پہاڑی بکرا تجھے مسکن کے اندر کیوں پکڑا گیا ۔
اے پہاڑی بکرا تیرے سُم تو نگینے جیسے تھے ۔تو پہاڑ کے زینے میں کیوں پکڑا گیا ۔
تیرے جسم میں گھنا پشمینہ ہے ۔تو پہاڑ کے زینے میں کیوں پکڑا گیا ۔
تیرے دانت تو موتی جیسے تھے ۔تو پہاڑ کے زینے میں کیوں پکڑا گیا ۔
تیری چھاتی تو بہت خوبصورت ہے ۔تو پہاڑ کے زینے میں کیوں پکڑا گیا ۔
تیرے بازو تو جوہری ہیں ۔تو پہاڑ کے زینے میں کیوں پکڑا گیا ۔

اپنا پسندیدہ جانور پہاڑی بکرے کی پھر تعریف ہو رہی ہے ۔اُس کے جسم کی ایک ایک خاصیت گنی جا رہی ہے ۔
پہاڑی جانور کسی پہاڑ میں نہیں پھنستا ۔اور بہت تیزی سے دوڑتا ہے اُسے پکڑ لینا اتنا آسان نہیں ۔اندر پھنسے ہوئے باراتی کو پہاڑی بکرے سے تشبیح دی گئی ہے

اس گانے کے ختم ہونے کے بعد اس اندر پھنسے باراتی کو بھی باہر چھوڑ دیا جاتا ہے جس کے بعد بھی دُلہن کمرے سے باہر نہیں نکلتی ۔اس دوران دونوں باراتیوں کو ایک اور مخصوص گانا گانا پڑتا ہے ۔

توکھس ݜامالیژ کوتی جو
توکھس ݜا کیے گا کھارانٗی لیے ۔

توکھس ݜا وہ ݜاریݜ بجا ئیں گی
توکھس ݜا کیے گا کھارانٗی لیے ۔

توکھس جاوہ سونیٔ جیتوسی
توکھس جا کیے گا کھارائی لیے۔

توکھس جا روپیٔ شتوسی
توکھس جا کیے گا کھارائی لیے۔

کھس جاوہ لوجومیٔ شت گی
توکھس جا کیے گا کھارائی لیے۔

توکھس جاوہ لوجوم لبون گی
توکھس جا کیے گا کھارائی لیے۔

توکھس جامالیٔ کوتی جو
توکھس جا کیے گا کھارائی لیے۔

ترجمہ:۔
اے میری بہن تو باپ کے تمبو سے نکل جاتو پیچھے کیوں ہٹتی ہے۔
اے میری بہن تو بھائی کے پیار سے نکل جاتو پیچھے کیوں ہٹتی ہے۔
اے میری بہن تو سونے کی طاقت سے نکل جاتو پیچھے کیوں ہٹتی ہے۔
اے میری بہن تو چاندی کی ہمت سے نکل جاتو پیچھے کیوں ہٹتی ہے۔

اے میری بہن تو لوجُوم کی طاقت سے نکل جا تو پیچھے کیوں ہٹتی ہے۔
اے میری بہن تو دامن بھر لوجُوم لیے نکل جا تو پیچھے کیوں ہٹتی ہے۔

اس گانے کو ڈاکٹر لیٹنر نے اپنی کتاب دردستان میں گلگت کے حوالے سے نقل کیا ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس قسم کے گانے گلگت میں بھی رائج تھے۔اور لگتا ہے کہ یہاں اس قسم کے گیت گلگت سے ہی پہنچے ہوں۔ گانے میں دُلہن کے زیورات کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔دُلہن چاندی اور سونے میں لدی ہوئی ہے۔اسی لیے کہا گیا ہے کہ تو ہمت مت ہار تو ہمت پیدا کر لے۔اپنے سونے چاندی کے زیورات کی طرف دیکھ۔تو کسی ایسے گھر جا رہی ہے جہاں تجھے سونے چاندی میں تول دی جائیگی تو ہمت کر لے اور باپ کے تمبو سے نکل جا۔
گانے میں لوجُوم نامی قیمتی پتھر کا بھی ذکر ہوا ہے جسے یہاں کی عورتیں بہت پسند کرتی تھیں۔
اس کے بعد دُلہن کو گھر سے باہر نکالا جاتا ہے۔اور گاوں کے چوک میں پہنچا دی جاتی ہے۔جہاں باراتیوں کو ایک اور گانا گانا پڑتا تھا۔جسے چوک کا گانا (گلیوگائی) کہا جاتا تھا۔

گلیوگائی۔

موکھیرِ گا لیے جادنٗی دے تابوجیم
کوچومونے بوجیم

پوچُھرِ کا جو جاجادنٗی دے تابوجیم
کوچومونے بوجیم

ٹکیو بالیو جو ٹکیے کھیے تا بوجیم
کوچو مونے بوجیم

موزو بالیو جو موز کھیے تا بوجیم
کوچو مونے بوجیم

ݜاری کلا ڈارڈا پودے بوجیم
کوچو مونے بوجیم

تومئی موکھیر جاڈئی دے تا بوجیم
کوچو مونے بوجیم

موکھیر گالیے جا جاڈئی دے تا بوجیم
کوچو مونے بوجیم

پوچھیر کا جو جا جاڈئی دے تا بوجیم
کوچو مونے بوجیم

ترجمہ:۔

آج اس چوک میں ناچ کے جاوں گا خالی نہیں جاوں گا۔

بیٹے کی شادی پہ ناچ کے جاوں گا خالی نہیں جاوں گا۔

روٹیوں کے ڈھیر سے روٹیاں کھا کے جاوں گا خالی نہیں جاوں گا

گوشت کے ڈھیر سے گوشت کھا کے جاوں گا خالی نہیں جاوں گا

اس سونے کی چاقو (دُلہن) کو پیٹھ پے اُٹھا کے جاوں گا خالی نہیں جاوں گا

اپنے دیش ناچ کے جاوں گا خالی نہیں جاوں گا

آج اس چوک میں ناچ کے جاوں گا خالی نہیں جاوں گا۔

بیٹے کی شادی پہ ناچ کے جاوں گا خالی نہیں جاوں گا۔

اس گانے میں بیٹے کی شادی کی خوشیاں منائی جاتی ہیں۔اور باراتی مست ہو کر ناچنے لگتے ہیں وہاں موجود لوگ بھی اس سے لُطف اُٹھاتے ہیں۔باراتیوں کے اس ناچ گانے سے لُطف لیتے ہوئے گاوں کی لڑکیاں اور لڑکے دور دور تک چلے آتے ہیں۔اس کے بعد انہیں واپس بھیجنے کے لیے باراتیوں کو ایک اور گیت گانا پڑتا ہے۔

ژھا پھراتو مینیے ملارے

ژھا پھرا مورے چھوت رلو۔

ژھا پھراتو مینیے سزارے

ژھا پھرا مورے چھوت رلو۔

موبوجیم تومینی موکھیری ہیے

ڗھا پھرا مورے چھوت ہلو ۔

مورے لیدوس شوکوٹو روئیک

ڗھا پھرا مورے چھوت ہلو ۔

ترجمہ:۔

اے میری ماوو واپس ہو جاو۔واپس ہو جاو مجھے دیر ہو رہی ہے۔

اے میری بہنو واپس ہو جاو۔واپس ہو جاو مجھے دیر ہو رہی ہے۔

میں اپنے دیس جا رہا ہوں۔واپس ہو جاو مجھے دیر ہو رہی ہے۔

مجھے سفید محل کی رانی مل گئی ۔واپس ہو جاو مجھے دیر ہو رہی ہے۔

اس گانے میں نہایت ہی مہذب انداز سے واپس جانے کی گذارش کی جا رہی ۔دُلہن کو سفید محل کی رانی قرار دیا جا رہا ہے ۔یہ گانا سُن کر لڑکیاں واپس جاتی ہیں لیکن کچھ لڑکیاں پھر بھی واپس نہیں جاتی ہیں ۔یا جان بوجھ کر باراتی لڑکیوں کو چڑانے کے لیے یا ہنسی مذاق کے طور پہ گانے کے بول بدل کر کچھ یوں گاتے ہیں۔

ڗھا پھرا ڈاموٹھا رےیے

ڗھا پھرا مورے چھوت ہلو ۔

ڗھا پھرا اوبش ٹُوکو رےیے

ڗھا پھرا مورے چھوت ہلو ۔

ژھا پھرا پھوشیے پھلایے
ژھا پھرا مورے چھوت بلو۔

موبو جیم تو مینی موکھیر تیے
ژھا پھرا مورے چھوت بلو۔

مورے لیدوس شوکوٹو رونیک
ژھا پھرا مورے چھوت بلو۔

ترجمہ:۔

اے پہاڑی جھاڑ جھنکاڑ۔واپس ہو جاو مجھے دیر ہو رہی ہے۔
اے پھوسلے کی ٹوکریاں۔واپس ہو جاو مجھے دیر ہو رہی ہے۔
اے سڑی ہوئی بلیاں واپس ہو جاو مجھے دیر ہو رہی ہے۔
میں اپنے دیس جا رہا ہوں۔واپس ہو جاو مجھے دیر ہو رہی ہے۔
مجھے سفید محل کی رانی مل گئی ۔واپس ہو جاو مجھے دیر ہو رہی ہے۔

اس گانے کو سُن کر لڑکیاں گالیاں دیتی ہیں۔اور مٹی پتھر برساتی ہیں۔لیکن باراتی اُنہیں ہاتھ نہیں آتے اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہیں۔اور دُلہن کو لیکر روانہ ہو جاتے ہیں۔

جب دُلہن کو لے کر دُلہے کے گھر پہنچ جاتے تھے تو دُلہن اور باراتیوں کی سواگت کے لیے گاوں کے تمام لوگ جمع ہو جاتے تھے۔اُن کے ہاتھ میں پلیٹ میں ستو ہوتے تھے جو باراتیوں اور دُلہن کی عزت افزائی سمجھا جاتا تھا۔اس کے بعد تمام لوگ بیٹھ جاتے تھے ستو کی تمام تھالیاں سامنے رکھا جاتا تھا۔اور باری باری اعلان ہوتا تھا کہ یہ تھالی کس گھر کی

طرف سے ہے اور اُس کا دُلہن اور باراتیوں کے ساتھ کیا رشتہ ہے۔ اور رشتے کی نزدیکی کے حساب سے اس تھالی میں پیسہ ڈالا جاتا تھا۔ اگر کوئی غیر آدمی جس کا کوئی رشتہ نہ ہو اگر ستو کی تھالی سامنے رکھے تو اُسے بھی عزت سمجھا جاتا تھا۔ اور اُسے بھی پیسہ ڈالا جاتا تھا۔ یہ رواج کم و بیش آج بھی رائج ہے۔

جب یہ دربار ختم ہو جاتا تو دُلہے کی طرف کے باراتیوں کو ایک اور گانا گانا پڑتا تھا جس کے بعد ہی دُلہن کے ساتھ آنے والے باراتی اس دربار سے اُٹھتے تھے اور گھر کے اندر تشریف لیتے تھے۔ یہ گانا کچھ اس طرح تھا۔

کیل گا کیے سوتو لا کیلی میارو سورے جا
تیٹے لے تھے کھورے بلیا ئین سورے جا
گیے لوتھو ڈیم گا بلیائی لا سورے جا
بافو ربوائے بارو کیلی میارو سورے جا
دونی ہل موتیک کیلی میارو سورے جا

ترجمہ:۔

اے پہاڑی بکرا تو دھوپ میں کیوں سو گیا۔
تمہارے نگینے جیسے کُھر پگل جائیں گے تو دھوپ میں کیوں سو گیا۔
تمہارا گھی جیسا نرم جسم پگھل جائے گا تو دھوپ میں کیوں سو گیا۔
تیرے جسم میں گھنا پشینہ ہے تو دھوپ میں کیوں سو گیا۔
تیرے دانت تو موتی جیسے ہیں تو دھوپ میں کیوں سو گیا۔

پہاڑی بکرے کے جسم کو گھی سے تعبیر دی جا رہی ہے۔ پہاڑی بکرے کے کھر کو نگینے سے تعبیر دی جا رہی ہے۔ اور دھوپ میں سونا پہاڑی بکرے کے لیے نقصان دہ بتایا گیا ہے۔

شادی کا طریقہ

شادی کا طریقہ دراس کے دردوں میں کرکت بڈ گام یا کا کسر و چھانی گن کے دردوں سے ذرا مختلف ہے ۔شادی کے طریقے میں یہ اختلاف کیوں ہے یہ میری سمجھ میں اب تک نہیں آیا۔

دراس کے دردوں میں شادی کا طریقہ

سب سے پہلے لڑکے کی طرف سے ایک ایلچی مقرر کیا جاتا ہے جسے شینا زبان میں 'داڑوؤ' کہا جاتا ہے جو لڑکی کے گھر جا کر لڑکی کے والدین سے رضامندی حاصل کرلیتا ہے ۔اس کے بعد ایک دن مقرر کر کے رضامندی کی رسم نبھائی جاتی ہے جسے 'سیل' کہتے ہیں ۔اس رسم میں لڑکے کی طرف سے مقرر ایلچی ایک عدد انگوٹھی ،ایک بڑی روٹی ،ایک عدد سوٹ ، کچھ مٹھائیاں وغیرہ لیکر لڑکی کے گھر پہنچ جاتا ہے ۔ جہاں رسم کے مطابق لڑکی کے رشتہ دار وغیرہ بھی موجود ہوتے ہیں ۔اس دوران لڑکی کی طرف سے کپڑے اور زیورات مقرر کئے جاتے ہیں ۔ پہلے زمانے میں لڑکا بارہ عدد بھیڑ و، جس میں ایک مینڈھا ایسا ہوتا تھا جس کے اوپر مرد سوار ہو تو پاوں زمین پہ نہ پہنچیں ۔ پانچ کلو مکھن ، پانچ کلو ستو دب کے نام پر دُلہن کے والد کو دیا جاتا تھا۔ اُس کے علاوہ دُلہن کو چاندی کے پچاس سے ستر روپے ،ایک جوڑی سوٹ ،لوکل اونی فرن نما 'چھیلی' جس میں چھاتی کے دونوں اطراف میں بڑے جیب بنے ہوتے تھے جو پیچھے کی طرف گردن تک چلے جاتے تھے ۔جنہیں شینا زبان میں 'ٹھاتو ر'' کہتے تھے ۔اور اس میں خاص طرح کی لوکل کڑھائی کی ہوتی تھی ۔جسے تیار کرنے میں دُلہن کی سہیلیوں اور میانہ عمر کی خواتین کو کئی دن لگتے تھے ۔ ایک عدد کالے اون کی ٹوپی جس میں کڑھائی کی ہوتی تھی ۔اس ٹوپی کو باندھنے کے لیے خوبصورت لیس استعمال کیا جاتا تھا جسے شینا میں 'ڈُجی کھولوئی' کہا جاتا تھا ۔اونی پاجامہ ایک عدد بھی بنائی جاتی تھی ۔جو کافی لمبی ہوتی تھی ۔جس میں گھٹنوں سے لیکر ٹخنوں تک سلوٹ بنا کر پہنایا جاتا تھا ۔جسے شینا زبان میں ' کاوے پھوٹیلی ژلینی' کہتے تھے ۔ایک اونی کمر بند (کسکی) جس کی لمبائی چار گز ہوتی تھی اس کسکی کے نیچے مختلف دھاگوں سے پھول دار بنڈل بنائے جاتے تھے جنہیں شینا زبان میں توتو می کہتے تھے ۔یہ توتو می ٹوپی پہ بھی باندھے جاتے تھے ۔جس سے دُلہن کی خوبصورتی اور بھی نکھر جاتی

تھی۔دوعدد لوکل جوتے (کوریے) بھی بنائے جاتے تھے جن کا تو اچمڑے کا ہوتا تھا اور اوپری حصہ لوکل پٹو کا ہوتا تھا جس میں خوبصورت کڑھائی کی ہوئی ہوتی تھی۔جو آج کل راجستھانی جوتیوں میں ہوتی ہے،اس کے علاوہ چاندھی کے روپیوں سے انگوٹھیاں، چار عدد چاندی کے کنگن، دوعدد 'تومر' جو ٹوپی میں سجایا جاتا تھا۔کانوں کی بالیاں جو خاص طرح سے دائرہ نما شکل میں بنی ہوتی تھیں جو لگ بھگ گالوں کے نصب حصوں کو ڈھک لیتی تھیں۔جنہیں شینا زبان میں 'پندپ' کہا جاتا تھا۔اور دوعدد ایسی بالیاں بنائی جاتی تھیں جن کے نچلے حصے میں لٹکنے والی زنجیریں ہوتی تھیں۔ جسے شینا میں 'الونگ' کہتے تھے۔اُس کے علاوہ چاندی کا ہار بنایا جاتا تھا جسے 'شریشو' کہتے تھے۔ چھاتی میں پہننے کے لیے دوعدد چمکیلے دائیرے جو پیتل کے بنے ہوتے تھے اُن میں کاریگر اپنی ہُنر سے خوبصورت نقاشی کرتا تھا۔جسے شینا زبان میں 'چھمبا' کہتے تھے۔ایک عدد گول ڈبہ ہوتا تھا جو عموماً المونیم کا بنا ہوتا تھا۔جس میں حسبِ ضرورت دُلہن چربی رکھتی تھی۔جسے سردی کے دوران ہاتھ پیروں میں مل لی جاتی تھی۔اس کے علاوہ چھاتی میں ان زیورات کے ساتھ ایک عدد چمچ بھی ہوتی تھی جو معصوم بچوں کے مُنہ میں آسانی سے سما سکے۔اور اُنہیں دودھ پلانے کے کام آتی تھی۔ اور مونگھے وغیرہ ہوتے تھے۔سونے کا رواج نہیں تھا۔موجودہ دور میں یہ طریقہ بدل چُکا ہے اب چاندھی کی جگہ سونے نے لے لی ہے۔اب دُلہن کے لیے سونے کا ایک سیٹ جو تین تولے سے لے کر پانچ تولے تک ہوتا ہے مقرر کیا جاتا ہے اس کے علاوہ بہت سارے کپڑے اور زیورات بھی مقرر کئے جاتے ہیں۔چاول، گھی اور ایک عدد بھیڑ وکا بھی رواج ہے۔اب ان ساری چیزوں کا تخمینا لگا کر پیسہ بھی ادا کیا جاتا ہے تا کہ دُلہن کے والدین اپنی مرضی کے مطابق کپڑے اور زیورات خرید سکیں۔ان تمام چیزوں کو شادی سے پہلے ادا کرنا ہوتا ہے۔جس دن شادی کے لیے دن مقرر کیے جاتے ہیں اس دن یہ تمام چیزیں ساتھ لینی پڑتی ہیں۔اور شادی کے دن دُلہے کو سجا دھجا کر مخصوص کپڑے پہنائے اور پگھڑی باندھے دُلہن کے گھر لینا پڑتا ہے دُلہے کے ساتھ چار باراتیوں کو جانا پڑتا ہے۔جنہیں چھیلیچے کہا جاتا ہے۔دُلہن کے گھر کے باہر دربار لگتا ہے جہاں 'دومیق' (دھونی) جلا کر اور 'کھیاتب' (تھالی میں ستو روٹی وغیرہ) نکال کر باراتیوں کا سواگت کیا جاتا ہے۔اس دوران باراتی رشتہ داروں کے قریبی رشتہ کے حساب سے

اُن کی تھالی میں پیسہ ڈالتے ہیں۔جب کھیا تب کا سلسلہ ختم ہوتا ہےتو نکاہ خوانی کی رسم شُروع ہو جاتی ہے جس کے لیے دو باراتیوں کو دُلہن کے پاس جانا پڑتا ہے اور اُس سے نکاہ خوانی کی رسم کی اطلاع دینی پڑتی ہے۔دُلہن اکثر مامے کو اپنا وکیل مقرر کر کے باہر بھیج دیتی ہے۔اور باہر ماما دُلہن کا وکیل بن کے نکاہ خوانی کی رسم کو آگے بڑھاتا ہے جہاں مہر وغیرہ مقرر ہوتے ہیں اور

اجابت وقبول کے بعد نکاح کی رسم پوری ہو جاتی ہے۔رات کو دُلہے اور باراتیوں کو دُلہن کے گھر میں ٹھہرایا جاتا ہے جہاں اُنہیں ماپونیئے گائے نامی گانے گا کر مجلس کو رونق بخشنا پڑتا ہے۔صبح ہوتے ہی ان باراتیوں کو مختلف گانے گا کر دُلہن کو دُلہے کے گھر پہنچانا پڑتا ہے۔دُلہن کے ساتھ بھی چار باراتی آجاتے ہیں جنہیں 'پڑاگارے' کہا جاتا ہے۔ان میں تین مرد ہوتے ہیں اور ایک عورت ہوتی ہے۔اس عورت کو 'پھاپی' کہا جاتا ہے۔جب یہ بارات دُلہن کو لیکر دُلہے کے گھر پہنچ جاتی ہےتو یہاں بھی بارات کی سواگت میں دربار سجایا جاتا ہے۔جہاں دُلہن کے رشتہ دار اور دُلہے کے گھر والے کھیا تب اور دومیَن سے سواگت کرتے ہیں۔یہاں پہ رشتے کی دوری یا نزدیکی کے حساب سے پڑاگارو کو پیسے ڈالنا پڑتا ہے۔اس کے علاوہ قریبی رشتہ دار دُلہن کے لیے چائے بناتے ہیں کھانا بنا کر بُلاتے ہیں۔اُن کے لیے بھی پیسہ دینا پڑتا ہے۔یہ باراتی دو دن تک دُلہے کے گھر میں ٹھہرتے ہیں اور واپس چلے جاتے ہیں لیکن پھاپی ایک ہفتے تک ٹھہر جاتی ہے اور اُسے دُلہے کے گھر والے کپڑے وغیرہ بنا کر وداع کرتے ہیں۔

موجودہ دور میں شادی کے رسوم کو کم سے کم کیا گیا ہے۔اب صبح دُلہا لڑکی کے گھر جاتا ہے اور شام کو دُلہن کے ساتھ اپنے گھر واپس پہنچتا ہے دُلہے کو دُلہن کے گھر ٹھہرنا نہیں پڑتا۔اس طرح جہاں دُلہے اور دُلہن کے گھر والوں کو دو دو وقت کا کھانا کھلانا پڑتا تھا اب ایک ہی وقت کا کھانا کھلانا پڑتا ہے۔اب گانوں کی جگہ نعت اور حدیث نے لے لی ہے۔لیکن کبھی کبھار جوان لڑکے لڑکیاں ناچ گانے کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔

کھانوں میں اکثر گوشت کھلایا جاتا ہے۔لیکن کشمیریوں کی طرح بہت سارے سالن نہیں ہوتے زیادہ سے زیادہ چار قسم کے سالن بنتے ہیں

یہاں جہیز وغیرہ دینے کا رواج نہیں ہے۔لیکن کبھی کبھار لڑکی والے 'جب' کا مطالبہ بھی کرتے ہیں جو کپڑے اور

زیورات کےعلاوہ ہوتا ہے لیکن اس چیز کو پسند نہیں کیا جا تا۔ دُلہے کے گھر والوں کو دُلہن کے ساتھ آئے باراتیوں کو کچھ پیسہ بھی دینا پڑتا ہے۔اس کےعلاوہ دُلہن کے ماے کوایک عدد پٹو اور کچھ پیسہ بھی دینا پڑتا ہے۔ جسے بڑیم کہا جاتا ہے۔

جب شادی ختم ہوتی ہے تو دُلہن کو باہر نکالا جاتا تھا۔ جہاں ایک چولہا جلایا جاتا تھا اور دُلہن کو روٹیاں بنانی پڑتی تھیں۔ دُلہن جب زیورات میں ملبوس ہوکر باہر روٹیاں پکاتی تھی تو سارے لوگ دُلہن کو دیکھنے آجاتے تھے۔ یہ رسم گلگت کی رسمِ تاؤ سے مشابہت رکھتی ہے۔

گلگت کی رسمِ تاؤ میں بھی ایک چولہا جلایا جاتا تھا۔ جس میں ایک توا چڑھایا جاتا تھا۔ جس کے بعد مخصوص قسم کے گانے گائے جاتے تھے جو اس طرح ہوتے تھے۔

توم تا وبری گُلیو
توم تا وجیوٹ تانیون نے دیم
توم تاوا کی تا نیم۔

توم تا گلیت ملیکیو۔
توم تا وجیوٹ تانیون نے دیم
توم تاوا کی تا نیم۔

توم تا وراجٹ ای یشکیو۔
توم تا وجیوٹ تانیون نے دیم۔
توم تاوا کی تا نیم۔

توم تاو کشیر شاہ میرا۔
توم تاو جیوٹ تانیون نے دیم۔
توم تاوا کی تانیم۔

توم تاو پلول ماپون۔
توم تاو جیوٹ تانیون نے دیم۔
توم تاوا کی تانیم۔

توم تاو ہیرو مگلوٹو۔
توم تاو جیوٹ تانیون نے دیم۔
توم تاوا کی تانیم۔

توم تاو سوچُور گرکیسا۔
توم تاو جیوٹ تانیون نے دیم۔
توم تاوا کی تانیم۔

توم تاو مریو پچوٹیا۔
توم تاو جیوٹ تانیون نے دیم۔
توم تاوا کی تانیم۔

تو م تا ونیلو بٹ اجا۔

تو م تا وجیوٹ تا نیون نے دیم۔

تو م تا وا کی تا نیم۔

ترجمہ

یہ تو اتو بری گُل کی ملکیت ہے۔ میں کسی کو بھی اس کو چو لہے پہ رکھنے نہیں دوں گا۔ میں خود اس کو چو لہے پہ رکھ دوں گا۔

یہ تو اتو راجہ گلگت کی ملکیت ہے۔ میں کسی کو بھی اس کو چو لہے پہ رکھنے نہیں دوں گا۔ میں خود اس کو چو لہے پہ رکھ دوں گا۔

یہ تو اتو بہت معزز ہے اس کا تعلق حکمرانوں سے ہے۔ میں کسی کو بھی اس کو چو لہے پہ رکھنے نہیں دوں گا۔ میں خود اس کو چو لہے پہ رکھ دوں گا۔

یہ تو اتو بری گُل کی ملکیت ہے۔ میں کسی کو بھی اس کو چو لہے پہ رکھنے نہیں دوں گا۔ میں خود اس کو چو لہے پہ رکھ دوں گا۔

یہ تو اتو کشمیر کے راجہ شاہ میر کی ملکیت ہے۔ میں کسی کو بھی اس کو چو لہے پہ رکھنے نہیں دوں گا۔ میں خود اس کو چو لہے پہ رکھ دوں گا۔

یہ تو اتو مقپون راجہ اسکردو کی ملکیت ہے۔ میں کسی کو بھی اس کو چو لہے پہ رکھنے نہیں دوں گا۔ میں خود اس کو چو لہے پہ رکھ دوں گا۔

یہ تو اتو مفلوٹ راجہ نگر سے تعلق رکھتا ہے۔ میں کسی کو بھی اس کو چو لہے پہ رکھنے نہیں دوں گا۔ میں خود اس کو چو لہے پہ رکھ دوں گا۔

یہ تو اتو گرکس راجہ ہنزہ سے تعلق رکھتا ہے۔ میں کسی کو بھی اس کو چو لہے پہ رکھنے نہیں دوں گا۔ میں خود اس کو چو لہے پہ رکھ دوں گا۔

یہ تو اتو مریو مچٹ کے بیٹے سے تعلق رکھتا ہے۔ میں کسی کو بھی اس کو چو لہے پہ رکھنے نہیں دوں گا۔ میں خود اس کو چو لہے پہ رکھ دوں گا۔

یہ تو انیلے پتھر کے اوپر رکھا جائے۔

(ماخوذ از تاریخ اقوام دردستان وبلورستان)

کہا جاتا ہے کہ گانا گانے کے بعد لڑکے آگ جلاتے ہیں اور لڑکیاں روٹیاں پکاتی ہیں۔ جس کے بعد دلہن کو تیار کیا جاتا ہے۔

کرکت بڈگام کے دردوں میں شادی کا طریقہ

یہاں کے دردوں میں شادی کا طریقہ ذرا مختلف ہے۔ جسے رضا امجد نے اپنی کتاب جموں کشمیر میں آباد شین دردوں کی مختصر تاریخ میں کچھ یوں بیان کیا ہے۔

" رشتہ طے کرنے اور شادی کی رسم یوں ہے کہ شروع میں لڑکی والوں کے گھر کسی خاص آدمی کو بھیج دیا جاتا ہے۔ جو داڑو کہلاتا ہے۔ اس شخص کے ذریعے اگر لڑکی کے ماں باپ حامی بھرلیں تو لڑکے والے اسی شخص (داڑو) کو کسی طے شدہ تاریخ کے دن جس کا تعین کسی مذہبی بزرگ کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ مع ایک کیک نما موٹی روٹی کے کہ جسے (سویلو ٹکی) کہتے ہیں دوبارہ لڑکی والوں کے گھر بھیجا جاتا ہے۔ اس دن لڑکی والے اپنے تمام عزیزوں اور رشتہ داروں کو مدعو کرتے ہیں۔ خاص کر متعلقہ خاندان کی بہو بیٹیوں کو خواہ وہ دور ہی کیوں نہ ہو۔ خاص طور پر بُلایا جاتا ہے۔

جیسے ہی داڑو لڑکی والوں کے آنگن میں قدم رکھتا ہے دروازے پر لڑکی کی ماں یا لڑکی کی بھابی جونیپر کے مشک اور روٹیوں سے بھری تھالی لے کر اس شخص کا سواگت کرتی ہیں۔

(یہ رسم دومینی کہلاتی ہے) داڑو اس دوران کھتیپ کے نام سے چند روپے اُس کی تھالی میں رکھ دیتا ہے۔ اس رسم کو انجام دینے کے بعد داڑو اس روز وہیں قیام کرتا ہے۔ لڑکی والوں کے گھر اس رات دعوت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس رسم کو 'سویل' کہا جاتا ہے۔ سویل کی رسم کے دوران شام کے کھانے کے بعد یہ شخص کچھ رقم لڑکی کے والدین کو دیتا

ہے جس کی تعداد پانچ سو سے ہزار کے قریب ہوتی ہے ۔علاوہ اس کے لڑکی کی والدہ ،بہنیں، بھابی اور پھوپھی وغیرہ کو دو دو سو روپے ادا کرتا ہے ۔اس رسم کو پورا کرنے کے بعد اسی روز لڑکی کا مہر اور جہیز معین کیا جاتا ہے ۔یہاں یہ بات غالباً غور طلب ہے کہ جس طرح ملک کے بیشتر حصوں میں جہیز کی رقم لڑکی والے اپنی حثیت کے مطابق دیتے ہیں ۔ اس کے برعکس دردوں کے دستور کے مطابق جہیز کی رقم لڑکے والے ادا کرتے ہیں ۔جسے شینا زبان میں دُپ کہا جاتا ہے ۔جہیز کی یہ رقم تخمیناً بیس ہزار سے ایک لاکھ تک معین کی جاتی ہے ۔سویل کی اس رسم کو انجام دینے کے بعد داژو جہیز کی معین شدہ رقم کی اطلاع لڑکے والوں کو دیتا ہے ۔یوں سویل کی اس رسم کے بعد برادری کے لوگوں میں رشتہ طے ہونے کی بات پھیلتی ہے ۔طرفین کی رضامندی سے داژو کے ذریعے شادی کی تاریخ طے کی جاتی ہے ۔شادی کی مقررہ تاریخ سے ایک دن پہلے دو اشخاص کو لڑکی والے نامزد کرتے ہیں جنہیں چھلیشٹے کا نام دیا جاتا ہے ۔ان دو اشخاص کا کام شادی سے ایک دن قبل رسم سویل کے دوران معین کئے گئے دُلہن کے کپڑے ۔زیورات ایک عدد اونی پٹو جو تقریباً چالیس فُٹ کا ہوتا ہے کے علاوہ گھی دو کلو جسے مروٹیو جولی رگھی کا نام دیا جاتا ہے ۔کو دلہن کے گھر پہنچانا ہوتا ہے ۔یہ دونوں اشخاص یہ تمام چیزیں لے کر لڑکی والوں کے گھر شام ڈھلنے سے پہلے حاضر ہوتے ہیں ۔ اس روز لڑکی والوں کے گھر چہل پہل ہوتی ہے ۔دُلہن کی سہلیاں اُسے ایک الگ کمرے میں وداعی تک اپنے ساتھ رکھتی ہیں ۔ماضی میں اس رات بزرگ خواتین 'لووگئ' کے نام سے ایک روایتی گیت گاتی تھیں ۔مگر آج یہ رسم قصہ پارینہ بن چکی ہے ۔اُن دو اشخاص یعنی چھیلشٹے کی آمد کے دوران لڑکی کی ماں یا بھابی گھر کے آنگن میں حسب دستور جونپر کے پُرعطر دھویں روٹیوں اور گھی سے بھری تھالی لے کر اُن کا سواگت کرتی ہیں ۔جونپر جسے شینا زبان میں چھیلی کہا جاتا ہے کو دردلوگ تطہیر مانتے ہیں ۔ان دو اشخاص کی آمد پر ایک گانا بھی گایا جاتا ہے ۔جسے 'چھلیشٹی گئ' کہا جاتا ہے ۔ اس موقع پر گانا گانے کی یہ رسم ماضی قریب تک رائج تھی مگر آج اس کی جگہ حمد و نعت و قصائید وغیرہ پڑھے جاتے ہیں ۔اگلے روز الاالصبح چھیلیشٹو میں سے ایک واپس چلا جاتا ہے ۔وہ لڑکے والوں کو دُلہن کے ساتھ مہمانوں یعنی پڑا گارے کی تعداد سے متعلق خبر دیتا ہے ۔دُلہن کی وداعی کے دوران اس کی سہلیاں ایک روایتی گیت گا کر اُسے وداع کرتی ہیں ۔دُلہن کے ہمراہ آٹھ دس افراد اس کے قریبی رشتے دار جاتے ہیں جنہیں پڑا گارے کہتے ہیں شادی

کی چہل پہل دو دن تک جاری رہتی ہے۔ دُلہن کے ہمراہ ایک عورت بھی جاتی ہے۔ یہ عورت شادی ختم ہونے کے بعد بھی دس پندرہ روز تک دُلہے کے گھر قیام کرتی ہے۔ پڑاگارے دو دن تک دُلہے کے گھر قیام کرتے ہیں۔ رُخصت ہونے سے پہلے انہیں لڑکے والے بڑیار کے نام سے کچھ رقم دیتے ہیں۔ پڑاگاروں کو ادا کی جانے والی بڑیار کی رقم کے علاوہ دُلہن کے ماموں کو بھی ایک عدد پٹو اور ایک ہزار روپے دیئے جاتے ہیں

باب چہارم

شینا/دردی سماج میں دال (کاہن) کی اہمیت

شین زبان بولنے والے درد پاکستان اور ہندوستان کے بہت سارے علاقوں میں آباد ہیں۔دردوں کے متعلق بہت سارے مصنفوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔لداخ میں آباد دردوں کا اگر ہم ذکر کریں تو یہاں پر ہر کسی نے داہ ہنو یا درچکس درکون میں آباد دردوں پر کام کیا ہے۔یہاں تک کہ ہمارے لوکل مصنفین کی نظر بھی داہ ہنو اور درچکس درکون کے دردوں سے آگے نہیں گئی ہے۔لیکن درد تو دراس میں بھی آباد ہیں جو ہمیشہ محققوں کی نظر سے اوجھل رہے ہیں۔دراس کے بارے میں ہر مصنف نے یہ کہتے ہوئے دامن جھاڑ دیا ہے کہ یہاں کے دردوں نے اسلام قبول کیا ہے اور پُرانے رسم ورواج ترک کر دیا ہے۔لیکن سچ پوچھئے تو دراس میں بہت ساری پُرانی رسومات آج بھی کسی نہ کسی طریقے سے زندہ ہیں۔اس میں شائد دراس کے لوگوں کا بھی ہاتھ ہو سکتا ہے۔ہو سکتا ہے، کہ اُنہوں نے ان محققوں کے ساتھ تعاون نہ کیا ہو۔یہاں کی تہذیب سے ثقافت سے جب ہمیں سابقہ پڑتا ہے تو ہمیں ایک نئی اور ایک دم طلسماتی دُنیا کی سیر ہو جاتی ہے۔جو ہماری اصلی دُنیا تو نہیں بلکہ ایک خوابوں کی دُنیا ضرور ہو سکتی ہے۔

سبدک

دراس کے شین دردوں کا ایک نامعلوم مخلوق پر اعتقاد ہوتا تھا۔ایسی ایک مخلوق جو ہر وقت انسان کے کام آتی تھی۔انسانوں کی مدد کرتی تھی۔اور انسانوں کی ہمدرد تھی۔اس عجیب وغریب مخلوق کی یہ لوگ بڑی عزت کرتے تھے۔اور یہاں کے دردوں کا اعتقاد تھا کہ اس قوم کو خوش رکھنے سے انسان ہر آفت اور مصیبت سے محفوظ رہ سکتا ہے۔یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ دراس کے درد لوگ کسی مخصوص چیز کو پوجتے تھے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ زمین کے ہر خطہ کا ایک مالک ہوتا

ہے۔اس لئے اگر اُس مالک کو خوش رکھیں تو وہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔اس لئے اس مخصوص مالک کو 'راچھی یا راچھو (Rachi or Rachoo) کے نام سے جانا جاتا تھا۔اسی لئے اُس زمانے میں شین لوگ جب کسی انجان جگہ ڈر محسوس کرتے تو چند مخصوص الفاظ کا ورد کر کے اپنا ڈر دور کر لیتے تھے۔وہ مخصوص الفاظ تھے۔" دادی ہنی تو گا دادو ہنو تو گا راچھو بو پیالو بو" مطلب یہ کہ چاہے آپ مرد ہو یا عورت ہو میری حفاظت کر میرا محافظ بن جا۔اگر اس بات پر غور کریں تو شین،لوگ اس خطہ زمین کے مالک جسے 'سبدک' کے نام سے پُکارتے تھے چاہتے تھے کہ کوئی نقصان نہ پہنچائے۔محمد امین پنڈت نے اپنی کتاب مختصر تاریخ کشمیر میں لکھا ہے کہ قدیم ہندوؤں کا عقیدہ تھا کہ ہر چشمے کا ایک مالک ہوتا ہے۔اس لئے ممکن ہے کہ دراس کے لوگوں کا قدیم مذہب اسی ہندو مذہب سے ملتا جُلتا ہو۔دراس میں موجود شین لوگ کچھ غیبی مالکان زمین و مکان کو جانتے تھے اسی لئے وہ ان کے نام بھی بتاتے تھے۔جیسے 'بُرونگ چھرنگ' ، 'ابیلی' ، 'حکیلہ' ، 'لُوٹولما' ، 'ریلو' وغیرہ۔ان کے غضبناک ہونے پر خطرناک ہرکات کرنے کے بھی سینکڑوں واقعات سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچے ہیں۔

ابیلی کی کہانی

ایک دن ایک شخص اس جگہ پہنچا جہاں کی مالک 'ابیلی' تھی غیر شخص کو اپنے پاس دیکھ کر ابیلی نے اُسے پکڑ لیا۔اور چھت میں لگی کڑی کے ساتھ چپکا دیا۔لیکن عجیب بات یہ تھی کہ یہ غیبی مالکان اصلی مکینوں پر ہمیشہ مہربان رہتے تھے۔اور اُنہیں کسی قسم کی گزند نہیں پہنچاتے تھے۔لیکن اصلی مکینوں کو بھی اس غیبی مالک کی عزت کرنی پڑتی تھی۔اور مخصوص کھانا بھیڑ بکریاں رکھنے والے کمرے میں لینا پڑتا تھا۔اور التجائی کلمات ادا کرنے پڑتے تھے۔جسے یہاں کے لوگ 'بوئے' کہتے تھے۔اس کے علاوہ سال میں ایک دفعہ 'سبدک' کے نام سے ایک بھیڑ کی قربانی دینی پڑتی تھی جسے یہ لوگ اپنے خاندان کے لوگوں میں تقسیم کرتے تھے۔کسی باہر کے شخص کو اس کا گوشت کھانے کی اجازت نہیں تھی۔

یش

اس کے علاوہ ایک اور غیبی مخلوق تھی جو بھیڑ بکریاں چراتی تھی۔اس غیبی مخلوق کو 'یش' (Yash) کہتے تھے۔ 'یش'

جنوں کی مانند بہت بڑے ہوتے تھے۔ان کے ماتھے کے بیچوں بیچ ایک ہی آنکھ ہوتی تھی۔یہ مخلوق بھی انسان دوست ہوتی تھی۔اور انسان کے کام آتی تھی۔یشوں کی بھیڑ بکریاں کبھی کبھی انسانی بھیڑ بکریوں سے مل جاتی تھیں۔جس سے انسانی دولت میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ڈاکٹر لیٹنر نے اپنی کتاب دردستان میں یشوں سے متعلق گلگت واستور کی کئی کہانیاں درج کی ہیں۔دراس میں بھی یشوں سے متعلق ایسی بہت ساری کہانیاں سُنی جا سکتی ہیں۔ان یشوں میں بھی کوئی کوئی بُری خصلتوں والے ہوتے تھے۔جو انسان کو نقصان بھی پہنچاتے تھے۔

یشوں کے گھاس کاٹنے کی کہانی

ان یشوں سے متعلق ایک کہانی یوں ہے کہ ایک شخص کو ایک یشو کے ساتھ دوستی ہوگئی۔یشو نے اُس شخص سے کہا کہ گھاس کاٹنے میں میں آپ کی مدد کروں گا۔لیکن اس میں آپ کو گھاس کے کٹنے تک اپنے اہل وعیال کے ساتھ اندر ہی بیٹھنا پڑے گا۔کسی کو دیکھنے کی اجازت نہیں ہوگی۔وہ شخص یشو کی بات پہ راضی ہوا اور اپنے گھر والوں سے باہر نہ جھانکنے اور گھر کے اندر ہی رہنے کی سخت ہدایت کی۔باہر کا شور وغُل سُن کر مذکورہ شخص کی بیوی سے رہا نہیں گیا اور اُس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔کیا دیکھتی ہے کہ یشوں کی ایک بہت بڑی مخلوق گھاس کاٹ رہی ہے۔بس عورت کی نظر لگتے ہی سارے یشو غائب ہوگئے۔

یشوں کی شادی

ایک اور کہانی جو ڈاکٹر لٹنر نے اپنی کتاب میں لکھی ہے کہ ایک شخص کو یشوں کی شادی میں جانے کا اتفاق ہوا وہاں دیکھا کہ دُلہن کی ماں دُلہن کی رخصتی کے موقع پر ایک خوبصوت گانا شینا زبان میں گا رہی تھی۔

''کوم بگے دے بڑیلی کھاتونی کوم بگے دے ہاہا۔
گھی بگے دے بڑیلی کھاتونی گھی بگے دے ہاہا۔
موس بگے دے بڑیلی کھاتونی موس بگے دے ہاہا
مابگے دے بڑیلی کھاتنی مابگے دے ہاہا۔

ترجمہ:۔ گندم بانٹ دے بڈیل کی لڑکی ۔گندم بانٹ دے ہاہا
گھی بانٹ دے بڈیل کی لڑکی گھی بانٹ دے ہاہا
گوشت بانٹ دے بڑیل کی لڑکی گوشت بانٹ دے ہاہا۔
شراب بانٹ دے بڑیل کی لڑکی شراب بانٹ دے ہاہا۔

صوفی بزرگ کا کارنامہ

اس کے علاوہ ایک اور کہانی جو دراس میں مشہور ہے کہ ایک شخص ایک صوفی بزرگ کے ساتھ کئی جا رہا تھا جاتے جاتے راستے میں صوفی بزرگ داہنے طرف دیکھ کر مسکرایا ۔دوسرے شخص نے صوفی بزرگ سے سوال کیا کہ آپ اچانک کیوں مسکرائے ۔لیکن صوفی بزرگ نے کوئی جواب نہیں دیا۔لیکن یہ شخص اصرار کرنے لگا جس پر صوفی بزرگ مجبور ہو گئے ۔صوفی بزرگ نے اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھایا ۔اور اُس شخص کو انگوٹھا پکڑنے کے لئے کہا۔ جب مذکورہ شخص نے صوفی بزرگ کے انگوٹھے کو پکڑ کر داہنے طرف دیکھا تو کیا دیکھتا ہے ایک یشوں کی شادی ہو رہی ہے اور دُلہن کے

کانوں میں بالیاں ہیں جن میں چکی کے دو بڑے پتھر لگے ہوئے ہیں ۔ نہ جانے ایسی کتنی کہانیاں یٹھوں سے متعلق دراس میں مشہور ہیں جنہیں کسی کتاب میں لکھنا سمندر کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے ۔اس قسم کے جنات کا ذکر کلاہن کی راج ترنگنی میں بھی ملتا ہے۔ کلاہن نے اس مخلوق کا نام 'یکش' بتایا ہے۔

برائے

تیسری غیبی مخلوق جس پر یہ لوگ یقین رکھتے تھے وہ 'برائے' کہلاتی تھی ۔یہ مخلوق تقریباً پریوں سے مشابہت رکھتی تھی ۔یہ مخلوق چھوٹی قد کی ہوتی تھی ۔اور سفید پٹو سے بنا لباس پہنتی تھی ۔یہ مخلوق ناچ گانے کی شوقین ہوتی تھی ۔یہ مخلوق اکثر انسانوں کو پکڑ کر اپنی دُنیا میں لے جاتی ہے یہاں اُسے یرغمال بنا کر رکھا جاتا ہے ۔اکثر شین لوگ اس قوم کی ڈھول ڈبن کی آوازیں سُننے کا دعویٰ کرتے ہیں ۔اور کچھ لوگ تو اس مخلوق کے لشکر کو چھوٹے چھوٹے سفید تنبو لگائے سفید کتوں کے ساتھ ڈیرہ جمائے دیکھنے کا بھی دعویٰ کرتے تھے ۔یہ مخلوق اکثر جھیلوں اور چشموں میں آیا کرتی تھی ۔پُرانے گیتوں اور کہانیوں میں اس مخلوق کو جھیلوں اور چشموں میں نہاتے ہوئے دکھایا گیا ہے ۔یہ واحد مخلوق تھی جو انسان کی قسمت کا حال بیان کرتی ہے۔

دال (کاہن)

'دال' (کاہن) وہ شخص ہوتا تھا جو ان تینوں قسم کی مخلوق سے براہ راست رابطہ قائم کر سکتا تھا ۔دال کسی تعلیم یا ٹریننگ سے نہیں بنتا تھا بلکہ پیدائشی ہوتا تھا ۔یا کبھی کبھی کسی انسان پر 'راچھی' یا 'برائے' (محافظ دیویاں) مہربان ہو جاتی تھیں اور مذکورہ شخص سے رابطہ قائم کر لیتی تھیں ۔دال (کاہن) جب جی چاہتا 'راچھی' (محافظ دیوی) کو بُلا لیتا تھا اور کسی مخصوص انسان کی قسمت کا حال یا زمانے کے حالات وغیرہ جان لیتا تھا ۔دال کے راچھی کو بُلانے کا سسٹم ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے ۔لیکن اس 'راچھی' نامی مخلوق کو صرف دال دیکھ سکتا تھا دوسرے لوگ نہیں دیکھ سکتے تھے ۔دال کے مطابق اُسے جس غیبی مخلوق سے رابطہ ہوتا تھا وہ سفید پٹو میں ملبوس دولڑکیاں ہوتی تھیں ۔جن سے

رابطہ ہونے کے بعد ہر سوال کا جواب مل جاتا تھا۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ دال کو جس مخلوق سے رابطہ ہوتا تھا وہ بَرائے نامی مخلوق تھی۔لیکن اس مخلوق سے رابطہ قائم کر لینا اتنا آسان نہیں تھا اس کے لئے جانکار لوگوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ یہ جانکار لوگ سب سے پہلے 'چھیلی' یعنی جونیپر کی دھونی دیتے تھے اور پھر ایک مخصوص گانا گاتے تھے۔ان گانوں کو جو دال اور راچھی کے بیچ رابطہ قائم کرنے کے لئے گائے جاتے تھے 'اوغالیے' کہا جاتا تھا۔کسی کسی دال کو کوئی بھی اوغالی گانے سے 'راچھی' کے ساتھ رابطہ قائم ہو جاتا تھا۔لیکن کسی کسی دال کے ساتھ 'راچھی' رابطہ قائم کرنے میں بڑے ناز و نخرے دکھاتی تھی۔اُس صورت میں ترتیب وار اوغالیے گانا پڑتا تھا۔

اوڻگالیے

چومئی وانٔی

پہلی اوڻگالی:۔

چولوٹیز گا دانٔی برےژل گا کھاتا جو
چولوٹیز گا دانٔی تا وے شوئی بوم
تیتا وے کے جو جوک سُلو بومیک شرانٔیز ۔

چولوٹیز گا دانٔی سوجی گا آوو ریل
چولوٹیز گا دانٔی تا وے شوئی بوم
تیتا وے کے جو جوک سُلو بومیک شرانٔیز ۔

چولوٹیز گا دانٔی کھر بوترا ئے جو
جو چولوٹیز گا دانٔی تا وے شوئی بوم
تیتا وے کے جو جوک سُلو بومیک شرانٔیز ۔

چولومیٔ گادانٔی **شمشاہ شیو** جو
چولومیٔ گادانٔی تا وے شوئی بوم
تیتاوے ۔کے جوجوک سُلو بومیک شرانٔیز ۔

چولومیٔ گادانٔی **کھیر گا گوژ لیو** جو
چولومیٔ گادانٔی تا وے شوئی بوم
تیتاوے ۔کے جوجوک سُلو بومیک شرانٔیز ۔

چولومیٔ گادانٔی **جسگند زانو** جو
چولومیٔ گادانٔی تا وے شوئی بوم
تیتاوے ۔کے جوجوک سُلو بومیک شرانٔیز

چولومیٔ گادانٔی **جسگند دیو** جو
چولومیٔ گادانٔی تا وے شوئی بوم
تیتاوے ۔کے جوجوک سُلو بومیک شرانٔیز ۔

چولومیٔ گادانٔی **ڈل گاڈیے** جو
چولومیٔ گادانٔی تا وے شوئی بوم
تیتاوے ۔کے جوجوک سُلو بومیک شرانٔیز ۔

چولو میری گادائی **کھونا گڈو مو چو**
لو میری گادائی تا وے شوئی بوم
تیتا وے کے جو جوک سلو بو میک شرائیر ۔

چولو میری گادائی **سوجی گاو گام چند**
چولو میری گادائی تا وے شوئی بوم
تیتا وے کے جو جوک سلو بو میک شرائیر ۔

چولو میری گادائی **تُجی گاسری چن**
چولو میری گادائی تا وے شوئی بوم
تیتا وے کے جو جوک سلو بو میک شرائیر ۔

چولو میری گادائی **مشکے گابرا چن جو**
چولو میری گادائی تا وے شوئی بوم
تیتا وے کے جو جوک سلو بو میک شرائیر ۔

چولو میری گادائی **پرانس گا کوٹھیر جو**
چولو میری گادائی تا وے شوئی بوم
تیتا وے کے جو جوک سلو بو میک شرائیر ۔

چولومیژگادائی جوخی گلبارائی جو
چولومیژگادائی تا وے شوئی بوم
تیتاوے کے جوجوک سُلو بومیک شرائیژ ۔

چولومیژگادائی کول گا آستانہ جو
جوچولومیژگادائی تا وے شوئی بوم
تیتاوے کے جوجوک سُلو بومیک شرائیژ ۔

ترجمہ:۔
اے پاک راچھی (محافظ دیوی) بریژل کے اونچے درے سے شاہی انداز میں ناچتے ہوئے تشریف لائے۔میں آپ پر فدا۔ہمیں چند اچھی باتیں سُنا۔
اے پاک راچھی (محافظ دیوی) سوجی آوریل (کاکسر کا ایک پہاڑ) سے شاہی انداز میں ناچتے ہوئے تشریف لائے۔میں آپ پر فدا۔ہمیں چند اچھی باتیں سُنا۔
اے پاک راچھی (محافظ دیوی) کھربوترائے (کھربو کی ایک پہاڑی جس میں دو کھڑکیاں نظر آتی ہیں۔اور سورج غروب ہوتے وقت ان کھڑکیوں سے نظر آتی ہے) سے شاہی انداز میں ناچتے ہوئے تشریف لائے۔میں آپ پر فدا۔ہمیں چند اچھی باتیں سُنا۔
اے پاک راچھی (محافظ دیوی) شمچاشے (شمشاہ کا ایک پہاڑ جہاں کی مٹی سفید ہے)۔سے شاہی انداز میں ناچتے ہوئے تشریف لائے۔میں آپ پر فدا۔ہمیں چند اچھی باتیں سُنا۔

اے پاک راچھی (محافظ دیوی) کھبیر کوٹو لے (کھبیر کا ایک پہاڑ جہاں کبوتر اکثر گھونسلے بنایا کرتی ہیں) سے شاہی انداز میں ناچتے ہوئے تشریف لائے۔ میں آپ پر فدا۔ ہمیں چند اچھی باتیں سُنا۔

اے پاک راچھی (محافظ دیوی) جسگند نرانڑ (جسگند کی ایک پہاڑی) سے شاہی انداز میں ناچتے ہوئے تشریف لائے۔ میں آپ پر فدا۔ ہمیں چند اچھی باتیں سُنا۔

اے پاک راچھی (محافظ دیوی) جسگند دیوں سے شاہی انداز میں ناچتے ہوئے تشریف لائے۔ میں آپ پر فدا۔ ہمیں چند اچھی باتیں سُنا۔

اے پاک راچھی (محافظ دیوی) ذل ڈانی (دراس کی سب سے اونچی چوٹی جس کے دامن میں ایک بہت بڑا گلیشر موجود ہے۔ اور دوران سرما چند دنوں تک دھوپ بھی اس کی وجہ سے دراس کے چند دیہاتوں میں اوجھل رہتی ہے) سے شاہی انداز میں ناچتے ہوئے تشریف لائے۔ میں آپ پر فدا۔ ہمیں چند اچھی باتیں سُنا۔

اے پاک راچھی (محافظ دیوی) کھونا گڈ وم (کھندہ گاوں کے ڈھلوان) سے شاہی انداز میں ناچتے ہوئے تشریف لائے۔ میں آپ پر فدا۔ ہمیں چند اچھی باتیں سُنا۔

اے پاک راچھی (محافظ دیوی) ٹیلبو نارانڑ (ٹیلبو کا ایک پہاڑ) سے شاہی انداز میں ناچتے ہوئے تشریف لائے۔ میں آپ پر فدا۔ ہمیں چند اچھی باتیں سُنا۔

اے پاک راچھی (محافظ دیوی) پاک اوکوم چند (لموچن کی ایک پہاڑی) سے شاہی انداز میں ناچتے ہوئے تشریف لائے۔ میں آپ پر فدا۔ ہمیں چند اچھی باتیں سُنا۔

اے پاک راچھی (محافظ دیوی) پاک سری چن (کوشن کا ایک پہاڑ) سے شاہی انداز میں ناچتے ہوئے تشریف لائے۔ میں آپ پر فدا۔ ہمیں چند اچھی باتیں سُنا۔

اے پاک راچھی (محافظ دیوی) مشکے براچن (مشکوہ کی ایک پہاڑی) سے شاہی انداز میں ناچتے ہوئے تشریف لائے۔ میں آپ پر فدا۔ ہمیں چند اچھی باتیں سُنا۔

اے پاک راچھی (محافظ دیوی) پرانس کوٹھیار (پرنداس کی ایک پہاڑی) سے شاہی انداز میں ناچتے ہوئے تشریف لائے۔ میں آپ پر فدا۔ ہمیں چند اچھی باتیں سُنا۔

اے پاک راچھی (محافظ دیوی) جوجی برائی (بوج پتر کی محافظ دیوی۔ جو غالباً زوجیلہ میں موجود ہے) سے شاہی انداز میں ناچتے ہوئے تشریف لائے۔ میں آپ پر فدا۔ ہمیں چند اچھی باتیں سُنا۔

اے پاک راچھی (محافظ دیوی) کول آستان (کولن کا آستانہ) سے شاہی انداز میں ناچتے ہوئے تشریف لائے۔ میں آپ پر فدا۔ ہمیں چند اچھی باتیں سُنا۔

اس اونالی میں اُن پہاڑوں کے نام ہیں۔ جہاں راچھی ہونے کا خیال کیا جاتا تھا۔ ان جگہوں کے نام اس طرح ہیں

۱۔ بریڑل کھنئ ۲۔ سوجی اوو ریل ۳۔ کھر بوترائے ۴۔ شمشاہ شے ۵۔ کھیر کوٹو لیے ۶۔ جسگند نارانی ۷۔ جسگند دیوی ۸۔ ڈل ڈٹی

۹۔ کھونا گڈ ومی ۱۰۔ بُولبوزانی ۱۱۔ سُوجی او کوم چند

۱۲۔ سوجی سرچن ۱۳۔ مُشکے براچن ۱۴۔ پرانس کُٹھیار

۱۵۔ جوجی برائی ۱۶ کُول آستان

اس اونگالی میں جتنے پہاڑوں کا ذکر ہے اُن کی اپنی جگہ پر بہت اہمیت ہے۔ اور یہ پہاڑ آج بھی انہی ناموں سے پکارے جاتے ہیں۔

اس اونگالی میں کوشش کی جاتی ہے کہ راچھی جہاں بھی ہو دال کے سامنے حاضر ہو جائے۔ اس کے بعد دال پر نیم بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے اور راچھی کے ساتھ رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔ اگر پھر بھی رابطہ قائم نہ ہو جائے تو گیا لیمنا می اونالی گانا پڑتا ہے۔ جو اس طرح ہے۔

گیالمہ

گیالیمہ بڑی گیال والون چاوو بے گابوجون

چامہ یڑل کھشارے بوجون

گیالیمہ بڑی گیال والون چاوو بے گابوجون

چاسُوجی آوو ریل رے بوجون

گیالیمہ بڑی گیال والون چاوو بے گابوجون

چاکھر بوڑ ایولی بوجون

گیالیمہ بڑی گیال والون چاوو بے گابوجون

چاشمشاہ شے وولی بوجون

گیالیمہ بڑی گیال والون چاوو بے گابوجون

چاکھمیر کوژیلیولی بوجون

گیالیمہ بڑی گیال والون چاوو بے گابوجون

چاجسگند ناراَو رے بوجون

گیالیمہ بڑی گیال والون چاوو بے گابوجون

چاجسکند دیورے بوجون

گیالیمہ بڑی گیال والون چاوو بے گابوجون

چاڈل ڈینے رے بوجون

گیالیمہ بڑی گیال والون چاوو بے گابوجون

چاکھوناگرڈمورے بوجون

گیا لیمہ بڑی گیال والون چاوو بے گابو جون
چا **ٹلیو نزانو** رے بو جون
گیا لیمہ بڑی گیال والون چاوو بے گابو جون
چا **سوجی اوکم چین** رے بو جون
گیا لیمہ بڑی گیال والون چاوو بے گابو جون
چا **سُوجی سری چین** رے بو جون
گیا لیمہ بڑی گیال والون چاوو بے گابو جون
چا مُش کے **بر اچار** ے بو جون
گیا لیمہ بڑی گیال والون چاوو بے گابو جون
چا **پرنس کوٹھیارا** رے بو جون
گیا لیمہ بڑی گیال والون چاوو بے گابو جون
چا **جوخی بارائی** رے بو جون
گیا لیمہ بڑی گیال والون چاوو بے گابو جون
چا **کول گا آستنا** رے بو جون

ترجمہ:۔

اے کامیابی لانے والو چلو ہم بریڑل کھنی چلتے ہیں اور ایک کامیابی لے کر آتے ہیں
اے کامیابی لانے والو چلو ہم سُوجی آوریل چلتے ہیں اور ایک کامیابی لے کر آتے ہیں

اے کامیابی لانے والو چلو ہم کھر بوڑ اۓ چلتے ہیں اور ایک کامیابی لے کر آتے ہیں

اے کامیابی لانے والو چلو ہم شمشاہ شے چلتے ہیں اور ایک کامیابی لے کر آتے ہیں

اے کامیابی لانے والو چلو ہم کھیبر کوڑو لیے چلتے ہیں اور ایک کامیابی لے کر آتے ہیں

اے کامیابی لانے والو چلو ہم جسگند نا رانْی چلتے ہیں اور ایک کامیابی لے کر آتے ہیں

اے کامیابی لانے والو چلو ہم جسگند دیوی چلتے ہیں اور ایک کامیابی لے کر آتے ہیں

اے کامیابی لانے والو چلو ہم ڈل ڈنْی چلتے ہیں اور ایک کامیابی لے کر آتے ہیں۔

اے کامیابی لانے والو چلو ہم کھونا گرڈوی چلتے ہیں اور ایک کامیابی لے کر آتے ہیں

اے کامیابی لانے والو چلو ہم یُلبونا رانْی چلتے ہیں اور ایک کامیابی لے کر آتے ہیں۔

اے کامیابی لانے والو چلو ہم پاک اوکوم چن چلتے ہیں اور ایک کامیابی لے کر آتے ہیں

اے کامیابی لانے والو چلو ہم پاک سری چن چلتے ہیں اور ایک کامیابی لے کر آتے ہیں۔

اے کامیابی لانے والو چلو ہم مُشکوہ براچن چلتے ہیں اور ایک کامیابی لے کر آتے ہیں۔

اے کامیابی لانے والو چلو ہم پرانْس کوٹھیار چلتے ہیں اور ایک کامیابی لے کر آتے ہیں۔

اے کامیابی لانے والو چلو ہم زوجیلہ چلتے ہیں اور ایک کامیابی لے کر آتے ہیں۔

اے کامیابی لانے والو چلو ہم کول آستان چلتے ہیں اور ایک کامیابی لے کر آتے ہیں

اس اوڑگالی میں بھی اُن تمام جگہوں کا ذکر ہے جن کا ذکر چومی دنْی میں آچکا ہے۔

چند بزرگوں کا ماننا ہے کہ یہ کوئی اوڑگالی نہیں ہے بلکہ ایک عام گانا ہے۔ خیر کچھ بھی ہو چومی دانْی کے مقابلے میں یہ نہایت ہی سُریلا ہے اور ڈھول ڈبن کے ساتھ دال بے خود ہو کر ناچنا شروع ہو جاتا تھا۔ اور ناچتے ناچتے نیم بے ہوشی کی حالت میں گر جاتا تھا۔ جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ دال کو راچھْی کے ساتھ رابطہ قائم ہو چُکا ہے۔ اس کے بعد لوکوں کو آخری اوڑگالی "شیس ماشیس" گانا پڑتا تھا۔

شیس ما شیس

شیس گا ما شیس بلا نخشیش وہ برومیم
بو تیائی بوڑس بلا سومیائی بوڑس

دودی مینی دودے گا بیرو وجو
بو تیائی بوڑس بلا سومیائی بوڑس

شیس گا ما شیس بلا نخشیش وہ برومیم
بو تیائی بوڑس بلا سومیائی بوڑس

دودی مینی بیل بل چُھر وجو
بو تیائی بوڑس بلا سومیائی بوڑس

شیس گا ما شیس بلا نخشیش وہ برومیم
بو تیائی بوڑس بلا سومیائی بوڑس

دودی مینی یوئی گا اوڑ وجو
بو تیائی بوڑس بلا سومیائی بوڑس

شیس گاما شیس بلاں شیش وہ بر ومیم
بو تیائی بوڈس بلاسومیائی بوڈس

دودی مئی **تیاوئی گنھوری** وہ
بو تیائی بوڈس بلاسومیائی بوڈس

شیس گاما شیس بلاں شیش وہ بر ومیم
بو تیائی بوڈس بلاسومیائی بوڈس

دودی مئی **آدم پاچھوری** وہ بو تیائی
بوڈس بلاسومیائی بوڈس

شیس گاما شیس بلاں شیش وہ بر ومیم
بو تیائی بوڈس بلاسومیائی بوڈس

دودی مئی **آچوش نیلاپادی** وہ بو تیائی
بوڈس بلاسومیائی بوڈس

شیس گاما شیس بلا نشیش وہ برومیم
بو تیائی بو وس بلاسو میائی بو وس

دودی مینی بیتون لاجوری وہ بو تیائی
بو وس بلاسو میائی بو وس

شیس گاما شیس بلا نشیش وہ برومیم
بو تیائی بو وس بلاسو میائی بو وس

دودی مینی ثریٹی گانگ ثریٹی وہ بو تیائی
بو وس بلاسو میائی بو وس ۔

شیس گاما شیس بلا نشیش وہ برومیم
بو تیائی بو وس بلاسو میائی بو وس

دودی مینی چیمر ماچوٹی وہ بو تیائی
بو وس بلاسو میائی بو وس

شیس گاما شیس بلا نخشیش وہ بروميم

بوتیائی بوؤس بلاسومیائی بوؤس

دودی مینی **بوبدی ھلوکی**

وہ بوتیائی بوؤس بلاسومیائی بوؤس

شیس گاما شیس بلا نخشیش وہ بروميم

بوتیائی بوؤس بلاسومیائی بوؤس

دودی مینی **آووری آجونی** وہ

بوتیائی بوؤس بلاسومیائی بوؤس

ترجمہ:۔

اے رانْھی ہم آپ سے معافی کے خواستگار ہیں۔ہم آپ پرفدا غصہ اُتار کرآئے ذرا آہستہ آئے

اے میری پیاری آپ دودھ کے تالابوں میں رہتی ہوا پنا غصہ اُتار کرآئے ذرا آہستہ آئے

اے رانْھی ہم آپ سے معافی کے خواستگار ہیں۔ہم آپ پرفدا غصہ اُتار کرآئے ذرا آہستہ آئے

اے میری پیاری آپ بل کھاتے ہوئے جھرنوں میں رہتی ہوا پنا غصہ اُتار کرآئے ذرا آہستہ آئے

اے رانْھی ہم آپ سے معافی کے خواستگار ہیں۔ہم آپ پرفدا غصہ اُتار کرآئے ذرا آہستہ آئے

اے میری پیاری آپ جُڑواں چشموں میں رہتی ہوا پنا غصہ اُتار کرآئے ذرا آہستہ آئے

اے رانْھی ہم آپ سے معافی کے خواستگار ہیں۔ہم آپ پرفدا غصہ اُتار کرآئے ذرا آہستہ آئے

اے میری **تیتاوئی پھوری** اپنا غصہ اُتار کر آئے ذرا آہستہ آئے

اے راچُھی ہم آپ سے معافی کے خواستگار ہیں۔ہم آپ پر فدا غصہ اُتار کر آئے ذرا آہستہ آئے

اے میری **آدم باپھوری** اپنا غصہ اُتار کر آئے ذرا آہستہ آئے

اے راچُھی ہم آپ سے معافی کے خواستگار ہیں۔ہم آپ پر فدا غصہ اُتار کر آئے ذرا آہستہ آئے

اے میری **آچوش نیلابادی** اپنا غصہ اُتار کر آئے ذرا آہستہ آئے

اے راچُھی ہم آپ سے معافی کے خواستگار ہیں۔ہم آپ پر فدا غصہ اُتار کر آئے ذرا آہستہ آئے

اے میری **بیجون لاغوری** اپنا غصہ اُتار کر آئے ذرا آہستہ آئے

اے راچُھی ہم آپ سے معافی کے خواستگار ہیں۔ہم آپ پر فدا غصہ اُتار کر آئے ذرا آہستہ آئے

اے میری **ثریئ گانگ ثریئ** اپنا غصہ اُتار کر آئے ذرا آہستہ آئے

اے راچُھی ہم آپ سے معافی کے خواستگار ہیں۔ہم آپ پر فدا غصہ اُتار کر آئے ذرا آہستہ آئے

اے میری **جیمر ماچوفی** اپنا غصہ اُتار کر آئے ذرا آہستہ آئے

اے راچُھی ہم آپ سے معافی کے خواستگار ہیں۔ہم آپ پر فدا غصہ اُتار کر آئے ذرا آہستہ آئے

اے میری **بوبدی شلموکی** اپنا غصہ اُتار کر آئے ذرا آہستہ آئے

اے راچُھی ہم آپ سے معافی کے خواستگار ہیں۔ہم آپ پر فدا غصہ اُتار کر آئے ذرا آہستہ آئے

اے میری **آووری اجونی** اپنا غصہ اُتار کر آئے ذرا آہستہ آئے

اس اوژنگالی میں اُن پہاڑوں اور پاک جھرنوں کا ذکر ملتا ہے جہاں راچُھی (محافظ دیوی) موجود ہونا خیال کیا جاتا ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے کے لوگ راچُھی کو کتنا پاک صاف سمجھتے تھے۔اور اس کی کتنی عزت کرتے تھے۔

اس اوڑگالی میں اُن آٹھ عورتوں کے نام گنے جاتے ہیں جنہیں راچْھی یا محافظ دیوی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ان کے نام اس طرح ہیں

۱۔ اَچوش نیلابادی ۲۔ بجُونٔ لاجُوری ۳۔ ژیٔی گانگ ژیٔی

۴۔چیمر ماچوشی　۵۔ بونری شلموکی ۶۔ اوری اَجونی

۷۔ آدم باچھوری ۸۔تیتاوئی پُھوری

اس کے بعد دال زمانے کے حالات پر تبصرہ کر لیتا ہے۔آنے والے وقت کی پیشن گوئی کر لیتا ہے۔کچھ لوگ مخصوص نشانات دال کے سرہانے رکھ لیتے ہیں دال اُن کی قسمت کا حال بھی بتا دیتا ہے۔دال کی کہی ہوئی باتوں کو سچ مانا جاتا تھا اوران باتوں پر یقین کیا جاتا تھا۔اور حیات اور موت کے بارے میں بھی پیشن گوئی کر لیتا تھا۔

☆☆☆

پاکستان گلگت اور دراس میں دالوں کو تیار کرنے کا طریقہ

ڈاکٹر لیٹنر اپنی کتاب دردستان میں گلگت اور استور کے دالوں کو تیار کرنے کا ذکر کچھ یوں کرتے ہیں

''دال کو جونیپر کا دھواں دیا جاتا ہے۔ جونیپر میں سفید بکری کا دودھ ڈالا جاتا ہے۔ اور ڈھول بجا کر مخصوص قسم کے گانے گائے جاتے تھے۔ جس کے بعد دال کا دماغ کسی اور دُنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد ایک بکری ذبح کر کے بکری کا خون آلودہ سر دال کے سامنے لایا جاتا ہے۔ دال اس بکری کے سر کے خون کو چاٹنے لگتا ہے اور رواں ہو جاتا ہے''

جونیپر میں سفید بکری کا دودھ، شریال (ایک قسم کا گھاس)، ماکھوتی (ایک قسم کا پھول)، اوتی امبر (کسی موگھا کے ہلکے چھلکے) وغیرہ ملانے کا رواج دراس میں بھی موجود تھا۔ لیکن یہاں کے دال شروع میں ہی گھر میں موجود گوشت کو باہر نکالوا تے تھے۔ اس لئے بکری کے سر کو چاٹنے کی کوئی روایت یہاں موجود نہیں ہے۔

یہاں کے سماج میں دال کو اہم مقام حاصل تھا۔ گھر یا گاوں میں مقیم بھوت پریت کو بھگانے کے لئے دال کو بُلانا پڑتا تھا۔ مریضوں کا علاج میں دال کا اہم رول ہوتا تھا۔ دال کی خدمات صرف انسان ہی نہیں لیتے تھے۔ بلکہ یش نامی غیبی مخلوق بھی کبھی کبھی دال کو اپنے پاس علاج کے لیے بلاتے تھے۔ ایسی ہی ایک کہانی دراس میں مشہور ہے یہ کہانی کچھ یوں ہے۔

ایک انسان کا واقع

ایک شخص کو گھاس چوری ہونے کا شبہ ہوا۔ اُس شخص نے چور کو رنگے ہاتھوں پکڑنے کی ٹھان لی۔ اور گھاس کے اوپر چھپ کر سو گیا۔ آدھی رات کو دیکھتا ہے کہ ایک لمبا چوڑا یش (دیو) جس کے ماتھے پہ ایک آنکھ تھی ایک لمبی رسی لے کر حاضر ہوا۔ اور گھاس کو رسی میں باندھ لیا۔ یہ شخص ڈر کے مارے خاموش رہا۔ یش نے گھاس کے ساتھ ساتھ اُس آدمی کو بھی رسی میں لپیٹ لیا اور پیٹھ میں اُٹھا کر چل پڑا۔ یہ یش گھاس کو سیدھا بھیڑ بکریوں والے کمرے میں گرانے لگا۔ وہ انسان جو گھاس میں سویا تھا اس طرح یش کے گھر پہنچ گیا۔ اُسے جلد ہی معلوم ہوا کہ یش کے گھر والے اُسے

نہیں دیکھ رہے ہیں (جس طرح انسان یش کو نہیں دیکھ سکتا اسی طرح یش انسان کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔لیکن کبھی کبھی انسان یا یش کی آنکھ میں وہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے جس سے یہ ایک دوسرے کو دیکھ لیتے ہیں) بس پھر کیا تھا یہ انسان آرام سے ادھر اُدھر گھومنے لگا۔کھانا کھانے لگا اور بہت آرام محسوس کرنے لگا۔یہ شخص جس جاندار پر ہاتھ لگاتا وہ بیمار ہو جاتا۔آہستہ آہستہ اس یش کے گھر کے افراد اور بھیڑ بکریاں ساری بیمار ہونے لگی۔یش نے اپنے عالموں اور حکیموں کو علاج کے لئے بلایا لیکن ناکام رہا۔سب یہی کہتے تھے کہ آپ کے گھر میں ایک دو آنکھوں والا بھوت (انسان) وارد ہو چکا ہے۔آخر کار ایک یش جو اُن کی دُنیا کا عالم تھا انسانی دُنیا میں آ کر ایک انسانی دال سے رابطہ کر لیا اور ساری صورت حال بتا دی۔اس دال نے جلد ہی یش کے گھر کا دورہ کرلیا۔تو دیکھا کہ وہاں ایک شخص چھپا بیٹھا ہے دال نے اس انسان سے کہا کہ آپ یہاں سے اپنی ضرورت کا سامان لے لو اور نکل جاو۔لیکن اس انسان کو یہاں اپنے گھر سے بھی زیادہ آرام محسوس ہو رہا تھا اس لئے اس نے نکلنے سے انکار کر دیا۔دال نے لاکھ سمجھایا اور کہا کہ اگر آپ نہیں مانو گے تو ہمیں آپ کو زبردستی نکالنا پڑے گا۔لیکن یہ شخص نہیں مانا اور دال سے کہا کہ آپ جو جی میں آتا ہے کر دیجئے میں یہاں سے نکلنے والا نہیں ہوں۔اس کے بعد دال نے چولہے میں ایک بہت بڑا توا چڑھایا اور اُس پر ریت ڈال کر گرم کرنے لگا۔دال نے اس ریت میں ایک لکڑی کا بنا نقلی گھوڑا بھی ڈال دیا اور ڈھول ڈبن کی دھن پہ ناچنے لگا۔وہاں موجود انسان دال گھوڑے ریت وغیرہ کو غور سے دیکھنے لگا۔جب ریت گرم ہو کر لال ہونے لگی تو توا ایک بہت بڑے میدان کی شکل اختیار کرنے لگا اور ریت سر سبز گھاس میں تبدیل ہونے لگی جس میں لکڑی کا گھوڑا ایک خوبصورت اصلی گھوڑے کی شکل اختیار کر کے چرنے لگا۔اس گھوڑے اور میدان کو دیکھ کر اس شخص کو تمنا ہوئی کہ گھوڑا چڑھ کر میدان میں دوڑا جائے۔کافی کوشش کے باوجود بھی اس شخص سے رہا نہیں گیا اور آخر کار گھوڑے کی پیٹھ پہ چھلانگ لگادی گھوڑا دوڑنے لگا تھوڑی دیر بعد دیکھا تو نہ میدان تھا نہ گھوڑا بلکہ وہ اپنی دُنیا میں پہنچ چکا تھا۔اس شخص کو بہت افسوس ہوا کہ اُس نے دال کی بات نہیں مان کر بہت بڑی غلطی کی تھی اور اُسے خالی ہاتھ گھر لوٹنا پڑا۔

دال چمر سنگھ اور گلت تیچھے لی (دال چمر سنگھ اور گلگت کی بھوتنی)

دال چمر سنگھ دراس کا ایک بہت ہی مشہور دال تھا۔کہا جاتا ہے کہ کسی زمانے میں گلگت میں ایک بھوتنی کا ظہور ہوا۔اس بھوتنی نے راستے میں چلنے والے لوگوں کا ستانا شُروع کیا۔گلگت کے لوگ اس بھوتنی کی شرارت سے تنگ آ گئے اُنہوں نے بہت سارے عالموں اور دالوں سے رابطہ کیا۔لیکن کوئی کامیابی نہیں ملی ۔آخر کار گلگت کے لوگوں کا ایک وفد دراس چلا آیا اور دال چمر سنگھ کے ساتھ رابطہ کرلیا ۔دال چمر سنگھ کے علاوہ اُنہوں نے ایک صوفی بزرگ کے ساتھ بھی رابطہ قائم کرلیا ۔دال چمر سنگھ اور صوفی بزرگ دونوں اپنے مُریدوں کے ساتھ گلگت کی طرف روانہ ہوئے ۔ چلتے چلتے سارا قافلہ ایک میدان میں پہنچ گیا ۔جہاں یہ قافلہ رات کو ٹھہرا۔اس جگہ پہنچ کر دال چمر سنگھ نے صوفی بزرگ سے کہا اے بابا ہمارے ساتھ بہت سارے لوگ ہیں اور ہم دونوں اپنے اپنے علمی میدان میں پہنچے ہوئے ہیں ۔آو ہم انہیں آج کی رات ضیافت کا اہتمام کرلیں ۔صوفی بزرگ نے دال چمر سنگھ کی بات مان لی ۔دال چمر سنگھ نے چاول کا اہتمام کرنے کا وعدہ کیا اور صوفی بزرگ نے گوشت کا اہتمام کرنے کا وعدہ کیا ۔اس کے بعد دونوں بزرگ سر جھکائے بیٹھ گئے اور کچھ پڑھنے لگے تھوڑی دیر بعد چاول کی ایک بوری دال چمر سنگھ کے سامنے آسمان سے گر پڑی ۔اس کے بعد صوفی بزرگ کے سامنے ایک موٹا تازہ بھیڑ حاضر ہوا۔لیکن جب صوفی بزرگ نے بھیڑ کو پکڑنا چاہا تو دال چمر سنگھ نے کچھ پڑھ کے بھیڑ پر دم کر دیا ۔جس کی وجہ سے بھیڑ صوفی بزرگ کے سامنے سے ہٹ گیا ۔اور بھاگنے لگا۔قافلے میں موجود سارے لوگوں نے بھیڑ کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن بھیڑ کسی کے ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔آخر کار دال چمر سنگھ نے بھیڑ کو اپنے قابو میں کرلیا ۔جب کھانا کھا رہے تھے تو دال چمر سنگھ نے صوفی بزرگ سے طنزیہ طور کہا۔اے بزرگ آپ تو یہاں بھیڑ کو قابو نہیں کر سکے ۔گلگت میں بھوتنی کو کیا خاک قابو کرلو گے ۔دال کی یہ بات سُن کر صوفی بزرگ ناراض ہوئے ۔اور کہا اے دال چمر سنگھ تیرے من میں کھوٹ پیدا ہوا ہے تو چاہتا ہے کہ میں گلگت نہ آوں تا کہ وہاں سے ملنے والے سارے تحفے تحائف تجھے ملیں ۔میں سمجھ گیا تیرے من میں لالچ نے جنم لیا ہے ۔کوئی بات نہیں میں یہاں سے واپس چلا جاتا ہوں ۔لیکن میری بات یاد رکھنا لالچ بُری بلا ہے ۔اور یہ سفر آپ

کے لئے اچھا ثابت نہیں ہوگا۔ یہ کہہ کر صوفی بزرگ اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس دراس چلے آئے۔اور دال چمر سنگھ گلگت کی طرف بڑھنے لگا۔گلگت کے قریب وہاں کے لوگ دال کی سواگت کے لیے موجود تھے۔دال کے پہنچتے ہی ڈھول باجے کے ساتھ دال کا استقبال کیا گیا۔اور دال کے آنے کی خوشی میں جشن منایا گیا۔جشن کے بعد یہ تمام لوگ دال کے ساتھ گلگت کی طرف روانہ ہوئے۔راستے میں اُس مقام پر پہنچے جہاں ُگلت تنچھے لی' یعنی گلگت کی بھوتنی کا مسکن تھا۔یہاں پہنچ کر دال نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا اے گلگت کے لوگو میں گلگت پہنچنے سے پہلے ہی اس بھوتنی کا صفایا کرنا چاہتا ہوں۔میں اس بھوتنی کے ساتھ مقابلہ کرلوں گا۔آپ لوگ اپنے ڈھول باجے زور وشور اور جوش وخروش کے ساتھ بجائے۔اور ساتھ ہی اس پہاڑ کی چوٹی کی طرف نظر رکھنا۔اگر میں جیت گیا تو یہاں سے آگ نمودار ہوگی۔اگر ایسا ہوا تو آپ خوشی منانا اور باجے کی دھن کو تیز کرلینا اگر میں ہار گیا تو اس پہاڑی چوٹی سے دھواں نمودار ہوگا۔اگر ایسا ہوا تو تم سب اپنی جانیں بچا کر بھاگ جانا۔یہ کہہ کر دال چمر سنگھ پہاڑ کی چوٹی کی طرف روانہ ہوا۔لوگوں کی نظر پہاڑی چوٹی پر جمی ہوئی تھی۔اس چوٹی سے کبھی آگ نمودار ہوتی تو کبھی دھواں۔لوگ ڈھول ڈبن بجاتے رہے۔ایک مدت کے بعد پہاڑی چوٹی سے آگ کے شعلے بلند ہونے لگےلوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور خوشی سے ناچنے لگے۔اسی دوران دال چمر سنگھ بھی پہاڑ کی چوٹی سے جھومتے ہوئے نمودار ہوئے۔دال چمر سنگھ نے اس بھوتنی کو چوٹی میں کسی پتھر کے ساتھ کیل ٹھوک کر باندھ لیا تھا۔اس کے بعد لوگ گلگت پہنچے اس ظالم بھوتنی سے نجات ملنے پر لوگ بہت ہی خوش تھے۔گلگت میں کئی دنوں تک جشن چلا۔دال چمر سنگھ اور ان کے ساتھیوں کے لیے جگہ جگہ ضیافتوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔کئی دن گذارنے کے بعد ایک دن دال چمر سنگھ نے واپس جانے کا ارادہ کرلیا اور گلگت کے لوگوں سے رُخصت لینے لگا گلگت کے لوگوں نے بہت سارے تحفے تحائف اور مال کے ساتھ دال چمر سنگھ کو واپس اپنے وطن بھیجنے کی تیاری کرلی۔آخری رات دال سے ملنے بہت سارے لوگ حاضر ہوئے۔باتوں باتوں میں کسی نے پوچھا کہ کیا یہ بھوتنی آپ کے جانے کے بعد کسی طرح چھوٹے گی تو نہیں تو دال نے عرض کی کہ چنتا کرنے کی کوئی بات نہیں۔جب تک میرا جبڑا تازہ رہے گا یہ بھوتنی وہی پہ بندرہے گی۔اور جس دن میرا جبڑا سڑ گیا اُس دن یہ بھوتنی چھوٹ جائے گی۔اگر آپ اس بھوتنی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باندھے رکھنا چاہتے ہو تو ایک کام کرلینا

کہ میری موت کے بعد کسی طرح میرا جبڑا حاصل کر کے اُسے محفوظ کر لینا ۔ جتنا آپ اس جبڑے کو سڑنے سے بچاو گے اُتنی دیر تک یہ بھوتنی اسی پہاڑ میں بندھی رہے گی ۔ دال کی یہ بات سن کر ایک کونگھے شخص نے لوگوں سے اشاروں اشاروں میں بتایا کہ اس کے مرنے کے بعد اس کا جبڑا ہمیں نہیں ملے گا اس لیے اسے ابھی مار ڈالو اور اس کا جبڑا نکال کر محفوظ کر لو ۔ گھونگے کی یہ بات لوگوں کے دل میں اُتر گئی اور لوگوں نے دال چمر سنگھ کو مارنے کا منصوبہ بنالیا ۔ لوگوں نے بڑے ہی مودبانہ طریقے سے ایک دن رُکنے کے لیے کہا ۔ اور بہانہ یہ بنایا کہ ہم کل ایک اور جشن منانا چاہتے ہیں ۔ دال کو اچانک اپنے دل میں وسوسہ پیدا ہوا ۔ اور کہا اے گلگت کے لوگو آپ کے دل میں کھوٹ پیدا ہوا ہے ۔ میں آپ لوگوں کی بات سمجھ گیا ۔ اور اس میں غلطی میری اپنی ہے ۔ کیونکہ میں نے سارے راز کھول کر بتا دئے ۔ اس کے بعد دال نے سارے تحفے تحائف اپنے ساتھیوں میں بانٹ دیے اور اُنہیں اپنے گھر روانہ کیا ۔ اس کے بعد گلگت والوں سے کہا کہ آپ لوگوں نے مجھے مارنے کا من بنالیا ہے تو سُن لو میرے جبڑے کو کسی برتن میں نمک کے بیچ ڈال دو اور اُسے اُسی پہاڑ کی چوٹی میں دفنا دینا ۔ اس طرح دال چمر سنگھ کا خاتمہ گلگت کے عوام کے ہاتھوں ہوا ۔ کہا جاتا ہے کہ آج بھی دال چمر سنگھ کا جبڑا اسی پہاڑی چوٹی پہ دفن ہے ۔

زمانے قدیم کے چند مشہور دال

اس طرح کی بہت ساری کہانیاں دال سے منسوب ہیں ۔ پہلے زمانے کے مشہور دالوں میں دال چمر سنگھ، دال چھلیا، دال روپوسوک، دال بُلو، دال بھیر، دال اُول، دال صمد وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔جن میں دال صمد آخری دال مانا جاتا ہے ۔دال صمد تک پہنچتے پہنچتے یہ طریقہ پُرانا ہوچکا تھا۔اوراس کے بعد نئے دور کے خیالات نے زور پکڑلیا اور دالوں اور کاہنوں کا سلسلہ یہی پہ موقوف ہوکر رہ گیا۔خیال کیا جاتا ہے کہ دال اور راچُھی کا یہ سسٹم قدیم مذہب بون مت کی نشانیوں میں سے ہوسکتا ہے ۔بون مت دردستان،لداخ اور تبت کے لوگوں کا قدیم مذہب تھا۔ اس مذہب کی بُنیاد شین رب می بونا می شخص نے رکھی تھی کہا جاتا ہے کہ یہ شخص شین نسل سے تعلق رکھتا تھا۔اسی لئے شین نسل کے لوگوں کو مذہبی گروہ مانا جاتا تھا۔جیسے کہ ڈاکٹر عبدل مجید نے اپنے ایک مضمون جو کشمیر یونورسٹی میں منعقد ہونے والے انڈین نیشنل کیٹا گرافک اسوسیشن (Indian National cartagraphic Association) میں پیش کیا تھا۔اس مضمون میں مصنف نے دردسماج کو چار نسلوں میں تقسیم کیا تھا جو اس طرح ہے ۔۱۔رونو (حاکم) ۲۔شین (مذہبی اُمور نبھانے والے) ۳۔یشکون (کھیتی باڑی کرنے والے) اور۴۔ڈوم (سازندے)۔اسی طرح کی تقسیم جان بڈلف نے بھی اپنی کتاب ٹرائبس آف ہندوکُش میں کی ہے ۔لیکن اُنہوں نے کریمین یعنی مزدوری کرنے والوں کی ذات کو بڑھا دیا ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ شین لوگوں کو اس قسم کے طریقوں سے زیادہ لگاو کیوں تھا۔شین رب می بو کی سوانح عمری کا حوالہ دیتے ہوئے کاچو سکندر خان سکندر لکھتے ہیں کہ اُنہوں نے اندر کی جنت کی سیر کی تھی ۔اس سے اس مذہب کے ہندو مذہب سے تعلق کا بھی پتہ چلتا ہے ۔ لیکن مورخوں نے جس طرح اس مذہب کے طور طریقوں کا لداخ میں ذکر کیا ہے وہ دراس کے طریقوں سے بہت کم میل کھاتا ہے ۔اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہ مذہب بھی فرقوں میں بٹ گیا ہو۔جس طرح کاچو سکندر خان رقم طراز ہیں کہ شین رب می

بونوے سال کی عمر میں اپنے مذہب کو فرقوں میں تقسیم ہونے کی پیشن گوئی دیتے ہوئے اس جہاں سے رخصت

ہوئے ۔لیکن دراس میں بون مت کا جو رواج رہا وہ بغیر کسی ملاوٹ کے خالص رہا۔ کیونکہ لداخ میں بودھ مذہب کے عالموں نے بون مت کو بدھا زم کے ساتھ ملانے کی کوشش کی ۔اور یہ پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے کہ کون سی رسم بودھوں کی ہے اور کون سی بونوں کی ۔لیکن دراس میں بدھ مت کا اتنا اثر نہیں رہا۔ یہاں اسلام زیادہ اثر انداز ہوا جو بون مت کے طریقوں سے بہت دور تھا۔اور اس قسم کے طریقوں کی اجازت نہیں دیتا تھا۔اس لئے ہر کوئی بون مت کے طور طریقوں کو بودھوں کا رواج قرار دینے لگے۔یہی حال دراس میں موجود بون مت کے آثار کا بھی ہوا۔اسلام اختیار کرنے کے بعد دراس کے لوگ بون مت کی یادگاروں سے دور بھاگنے لگے اور بودھ مذہب کے ماننے والوں نے ان یادگاروں کو اپنا بتا کے اُن پر قبضہ کرنے لگے جس طرح دراس میں موجود مورتیوں کے متعلق دراس کے بزرگوں کا کہنا ہے کہ یہ ایک راجا اور رانی کی یادگار ہیں ۔جس طرح ان مورتیوں کو مقامی زبان میں چو اور چومو کہتے ہیں یہاں کے بزرگوں کا کہنا ہے کہ چو
کے معنی بادشاہ ہوتے ہیں اور چومو کے معنی رانی ۔اس بات کی تصدیق الیگزینڈر کننگھم کے بیان سے ہوتی ہے ۔جنھوں نے اپنی کتاب 'لداخ' میں لکھا ہے کہ ان کا تبتی بدھا زم سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔انہوں نے لکھا ہے کہ اس میں لکھی ہوئی عبارت نکری رسم الخط میں ہے نہ کہ تبتی رسم الخط میں۔ کننگھم لکھتے ہیں'

'from the style of these figures, as well as from the nature of alphetical characters, have no hesitation in stating my opinion that they are Brahminical statues erected by some Kashmirian Hindus. This opinion is third un doubted Hindu pillar standing close to them, which I believe to be a "sati" pillar on one side is sculptured a horse man, which is the usual emblem, placed on the pillar of a Rajputani sati to denote that her husband was a solider on the back of pillar there is an inscription of eight lines in

Kashmirian Takri which I am unable to translate satisfactory"

اس بیان کو پڑھنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ بُت اصل میں دو یادگاری مورتیاں ہیں نہ کہ کسی مذہب کی مذہبی مورتیاں۔

دال کا سسٹم ختم ضرور ہوا لیکن کچھ ایسی روایات آج بھی دراس کے چند خاندانوں میں موجود ہیں جو راپُھِی کے سسٹم کو آج بھی مانتے ہیں۔ راپُھِی کے نام بکری کاٹنے کا رواج آج بھی دراس کے چند خاندانوں میں موجود ہے جب کسی عورت کو بچے پیدا نہیں ہوتے یا پیدا ہونے کے بعد مر جاتے ہیں تو ان خاندانوں کی عورتیں ایک سفید بکری کے ایک سالہ بچے کو مالا، چوڑیاں، ہار، وغیرہ پہنا کر سجاتی ہیں۔ اور ایک مخصوص جگہ لے جا کر چھوڑ دیتے ہیں۔ جہاں سے یہ بکری اُس پتھر کے اوپر چڑھ جاتی ہے جو راپُھِی کے پتھر کے نام سے مشہور ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ راپُھِی نے اس بکری کے بچے کو قبول کر لیا ہے۔ اس کے بعد اس بکری کے بچے کو ذبح کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کا گوشت وہاں موجود لوکوں کو کھلایا جاتا ہے۔ لیکن اس گوشت کو شادی شدہ لڑکے یا لڑکیاں نہیں کھا سکتی ہیں۔ کئی صدیاں گذر چکی ہیں لیکن ان دالوں کے کارنامے آج بھی لوکوں کے دلوں میں محفوظ ہیں۔

☆☆☆

باب پنجم

چنا گائے (غم کے گیت)

شینا لوک ادب کے اندر ان گانوں کی بہت ہی اہمیت ہے۔اس سماج نے بہت سارے دُکھ اور غم جھیل لئے ہیں اس لئے اس سماج کے لوگ ہمیشہ ہی حساس اور جزباتی مانے گئے ہیں۔پُرانے زمانے میں یہ ایک عام رواج تھا کہ کسی بھی آدمی پہ جب بھی کوئی مصیبت آجاتی تو وہ اُسے ایک گیت کی شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کرتا۔اس طرح اُس پر گزرے واقع کو دیر تک لوگ یاد رکھتے تھے۔اس طرح وہ شخص امر ہو جاتا تھا۔ایسے بہت سارے اشخاص کی کہانیاں ہم تک انہی گیتوں کے ذریعے پہنچی ہیں۔اور بہت سارے لوگوں کے اور خاندانوں کے نام بھی انہی گیتوں کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں۔اکثر دیکھا گیا ہے کہ چنا گائے تخلیق کرنے میں لڑکیوں کا زیادہ رول رہا ہے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ پُرانے زمانے میں مرد جنگ میں حصہ لینے یا کام کی تلاش میں گھربار چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔اور مختلف حادثات یا وجوہات کی بنا پر گھر واپس نہیں آپاتے تھے۔اس صورت میں گھر میں موجود عورت کو گھربار سنبھالنا پڑتا تھا اور بچوں کی پرورش کرنی پڑتی تھی اس وجہ سے اُن عورتوں کو اس زمانے میں بہت ساری مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ان مصیبتوں کا احوال وہ اپنے گیتوں کے ذریعے بیان کرتی تھیں۔جس سے اُن کے دل کا بوجھ ذرا ہلکا ہو جاتا تھا۔اس کے علاوہ جب کسی عورت کو اپنے سُسرال میں خاوند کے ساتھ نہیں بنتا تھا۔یا اُسے اُس کے ساس سُسر اُسے تنگ کرتے تو وہ اپنے ماں باپ کے نام ایک گیت کا نظرانہ بھیج دیتی تھی۔گیت کا نظرانا بھیجنے کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ کسی قاسد کے سامنے اس گیت کو گایا جاتا تھا جو وہ اُسے اپنے حافظے میں محفوظ کر لیتا تھا اور وہیں گیت ہو بہو اُس عورت کے والدین کے سامنے گاتا تھا۔اس سے اُس کے والدین سمجھ جاتے تھے کہ اُن کی لاڈلی بیٹی کس مُصیبت میں ہے۔دراصل خط و کتابت کا سلسہ نہیں تھا۔کیونکہ لوگ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے۔نثر کی صورت میں بھیجا گیا پیغام اتنا متاثر کُن نہیں ہوتا تھا۔اور اُسے یاد رکھنا بھی مشکل تھا۔اس لیے نظم کے ذریعے جو پیغام بھیجتے تھے۔وہ اثر دار بھی ہوتا تھا اور قاصد اُسے آسانی سے اپنے حافظے میں محفوظ کر لیتا تھا۔اگر کسی لڑکی کو کوئی قاصد جلدی میں ملے اور

اُسے گیت ترتیب دینے کا موقع نہ ملے تو وہ لڑکی کچھ مخصوص نشانیاں بھیج دیتی تھیں جس سے اُس کے گھر والے سمجھ جاتے تھے کہ اُن کی لڑکی کس طرح کی مصیبت میں ہے۔ جیسے مرجھائے ہوئے پھول بھجنا۔ جس کا مطلب تھا کہ تمہاری پھول جیسی بیٹی اب مُرجھا چکی ہے یعنی گھر والے اُسے تنگ کرتے ہیں۔ یا ایک پتلی لکڑی بھیجنا جس کا مطلب یہ لیا جاتا تھا کہ لڑکی سوکھ کر کانٹا ہوگئی ہے۔ یعنی کسی بیماری میں مبتلا ہے اور علاج نہیں چل رہا ہے۔ چند پتھر بھیجنا۔ جس کا مطلب یہ لیا جاتا تھا کہ لڑکی ماں باپ سے ناراض ہے اور کہہ رہی ہے کہ آپ کے دل پتھر بن چکے ہیں میری خیر یت بھی نہیں لیتے۔ اس طرح کا نظام کافی دیر تک چلتا رہا۔ اور یہاں تک کی پڑھی لکھی لڑکیاں بھی اس نظام پر چلتی تھیں اور دیر تک پیغامات اسی طرح ہی بھیجتی رہتی تھیں۔ اس کا ایک فائیدہ یہ رہتا تھا کہ لڑکی اپنی بات کو اپنے والدین تک پہنچا دیتی تھی۔ جسے اُس کے والدین آسانی سے سمجھتے تھے۔ اور کوئی تیسرا اس راز سے واقف نہیں ہوتا تھا۔ آئے اب ہم چند ایسے ہی گیتوں پر غور کرتے ہیں۔

☆☆☆☆

دال ہُلو اور لوٹو لا ما کی کہانی

دال ہُلو زمانے قدیم کا ایک مشہور دال تھا۔ کہا جاتا ہے دال ہُلو کو ایک دن فراو کے میدان میں ایک بھوت جس کا نام لوٹو لاما تھا کے ساتھ سامنا ہوا۔ دال اور لوٹو لاما کے بیچ دیر تک لڑائی چلتی رہی آخر کار اس لڑائی میں دال ہُلو ہار گیا۔ اور لوٹو لاما نے اُسے بُری طرح زخمی کر دیا تھا۔ دال ہُلو کو یقین ہو گیا کہ اب اُس کا آخری وقت قریب پہنچا ہے۔ اس لئے اُس نے اپنے رشتہ داروں کے نام ایک گیت کا نظرانہ بھیج دیا۔ جس میں اُس نے اپنے دل کی بات بیان کی ہے۔ یہ گانا دیر تک دراس میں بڑے شوق کے ساتھ گایا جاتا تھا۔

چاپی جی لوس وہ بر دموم شائیونو گہ داسی۔
بالی سالمیک گاراناس وہ نولوٹو گہ لامےسی۔
آلانگاری بود یک پھالی نے وہ دوپے میں سازا رورے
آلانگاری بود یک پھالی نے وہ دودے ماں مالورے
چھوت گابلو تھےنی نے وہ بر دموم ژیٹی گانگ ژیٹی سٔو
چھوت گابلو تھےنی نے وہ بر دموم بوندیڑی گاشلموکی سٔو
چھوت گابلو تھےنی نے وہ بر دموم آوری آجونی سٔو
کوتے پھالیس تھےنی نے وہ بر دموم آدم باپھوری سٔو
کوتے پھالیس تھےنی نے وہ بر دموم تیتاوئی چھوری سٔو
کوتے پھالیس تھےنی نے وہ بر دموم آچوش نیلابادی سٔو۔
کوتے پھالیس تھےنی نے وہ بر دموم بیجون لاجوری سٔو
دی گابیلوس وہ بر دمیم دودیے سازا روجو۔
دی گابیلوس وہ بر دمیم بُجا گاری گاجا روجو

دی گا بیلوس وہ بر ومیم اجا گاری ماں مالوجو ۔

دی گا بیلوس وہ بر ومیم پوشیلو نیر یلاجو

دی گا بیلوس وہ بر ومیم پوشیلئے اشوجو

دی گا بیلوس وہ بر ومیم بواے نالی سیرےجو

دی گا بیلوس وہ بر ومیم دو دی نی چھالیےجو ۔

دی گا بیلوس وہ بر ومیم کوئیو پار ولوجو ۔

ترجمہ:۔

اس پہاڑی میدان میں مجھے چبایا گیا ۔

میں نے کشتی لڑی تھی ''لوٹولاما'' کے ساتھ ۔

میری پیاری بہنوں کے لئے ایک بُری خبر آسمان سے پہنچی ۔

میرے والدین کے لیے ایک بُری خبر آسمان سے پہنچی ۔

ہائے دیر ہوگئی بول رہی ہے ۔'ژیٹی گا تنگ ژیٹی'

ہائے دیر ہوگئی بول رہی ہے ۔'بوندی شلموکی'

ہائے دیر ہوگئی بول رہی ہے ۔' آوری آجونی'

ابھی پہنچی کہتی ہے ۔' آدم با پھوری'

ابھی پہنچی کہتی ہے ۔'بیتاوئی پھوری''

ابھی پہنچی کہتی ہے ۔'' آچوش نیلا بادی''

ابھی پہنچی کہتی ہے ۔'بیجون لاجوری'

ہائے جُدا ہو گیا پیاری بہنوں سے ۔

ہائے جُدا ہو گیا ۔ پیارے بھائیوں سے ۔

ہائے جُدا ہو گیا۔ جان جگر ماں باپ سے۔

ہائے جُدا ہو گیا خوبصورت پہاڑی میدان سے

ہائے جُدا ہو گیا خوبصورت مکانوں سے

ہائے جُدا ہو گیا۔ بیشمار کھیتی باڑی سے۔

ہائے جُدا ہو گیا۔ پیاری بھیڑ بکریوں سے۔

ہائے جُدا ہو گیا۔ یار دوستوں سے۔

گانا اُس وقت گایا گیا جب ایک انسان زندگی کی آخری سانسیں گن رہا ہے۔ اُس وقت اُسے اپنے بال بچے بہن بھائی، والدین، کھیتی، مال دولت، مکان، دُکان گویا ساری چیزیں یاد آجاتی ہیں۔ اور انسان ان ساری چیزوں کو چھوڑ کر جانے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔

ایک مرنے والے آدمی کو مرتے وقت کن کن چیزوں کا خیال آتا ہے۔ اور مزید جینے کی تمنا اُس کے دل میں کس طرح پیدا ہوتی ہے اس گیت سے پتا چلتا ہے۔ اس گیت میں اس انسان کی دلی تمنا ظاہر ہوتی ہے جو موت کی سانسیں گن رہا ہے۔ گانے میں محافظ دیویوں کے دیر سے پہنچنے کا بھی ذکر ہے جن سے یہ انسان اُمید لگائے رکھا تھا۔ اور ایک پچھتاوا بھی ہے کہ اگر یہ دیویاں ذرا پہلے پہنچ جاتی تو شائید بچ جاتا۔

کیلائی گائی

(ایک پہاڑی بکری کی کہانی)

دوشکاریوں کو دیکھ کر ایک پہاڑی بکری کا بچہ تشویش کا اظہار کرتا ہے لیکن اُس کی ماں اُسے دلاسے دیتی ہے۔

آجے گہ کیلائی وہ
پاری تو جاک دوگہ ہانے۔

بروميم واپوش وہ۔
وہ لاچھا پیالے گہ بل نے۔

اجے گہ کیلائی وہ ک
ھنڑ تو بک گہ گی ہاں۔

بروميم واپوش وہ۔
وہ لاچھا پیالوٹنگارے گہ بل نے۔

آجے گہ کیلائی وہ۔
وہ ٹیو جاتو بک پھیر یک گا تھیے نے۔

بروميم واپوش وہ۔
وہ لشالے بجے گاہل نے۔

آجے گاکیلائی وہ۔
وہ تھی کوچی جالیلیک جوک کھاتو

بروميم واپوش وہ۔
وہ لولی موٹے بلدیٹیک دالیس

آجے گاکیلائی وہ۔
وہ شم شومیک گاکئے گابی لیے۔

بروميم واپوش وا
وہ ماکھوتیومی وومیک گا پیالیس۔

آجے گاکیلائی وہ۔
مایارے سوشیخکو گادینا۔

بروِمیم وہ پوش وا۔
وہ مایا رورے بابے گا تھے نو۔

آجے گا کیلائی وہ۔
وہ کیلا چھال سوفیٹیخُو گا دینا

بروِمیم وا۔ پوش وہ۔
وہ کیلا چھالورے کا کے گا تھے نو۔

آجے گا کیلائی وہ۔
وہ کیلائے سوفیٹیخُو گا دینے۔

بروِمیم واپوش وا
وہ کیلا یورے آجے گا تھے نو۔

ترجمہ:۔
اے میری پیاری ماں یا ردو آدمی نظر آرہے ہیں۔
اے بیٹا میں آپ پر فدا وہ گڈریے ہیں۔
اے میری پیاری اماں اُنہوں نے تو بندوق اور تلوار اُٹھائے ہیں۔
اے بیٹا میں آپ پر فدا۔ گڈریوں کے ہاتھوں میں سوٹیاں ہیں۔

پیاری اماں اُنہوں نے تو گولی چلا دی۔

اے بیٹا میں آپ پر فدا۔ یہ آواز بھیڑوں کے پتھر گرانے سے پیدا ہوئی ہے

اے پیاری اماں تمہارے جسم میں خون نکلا ہے۔

اے بیٹا میں آپ پر فدا۔ میں لال مٹی میں سو گئی تھی۔

اے پیاری اماں آپ بیہوش کیوں ہو رہی ہو۔

اے بیٹا میں آپ پر فدا۔ میں نے ماکھوتی کے پھول کا پانی پیا تھا (رس چوسا تھا)

(ماں اپنے بیٹے کو بھاگ کر بکروں کے ریوڑ تک پہنچنے کی صلاح دیتی ہے تو بچہ کہا ہے۔)

اے پیاری اماں پہاڑی بکرے مجھے سینگ ماریں گے۔

اے بیٹا میں آپ پر فدا۔ پہاڑی بکروں کو باپ کہنا۔

اے پیاری اماں پہاڑی میمنے مجھے سینگ ماریں گے۔

اے بیٹا میں آپ پر فدا۔ ان پہاڑی میمنوں کو بھائی کہہ کر پُکارنا

اے پیاری اماں پہاڑی بکریاں مجھے سینگ ماریں گی۔

اے بیٹا میں آپ پر فدا۔ ان پہاڑی بکریوں کو اماں کہہ کر پُکارنا۔

یہ ایک مشہور اور دل ہلا دینے والی کہانی ہے۔ دراصل دو شکاری جب شکار کرنے جاتے ہیں تو اُن کا سامنا ایک پہاڑی بکری اور ایک بکری کے بچے سے ہوتا ہے۔ بکری کا بچہ شکاریوں کو دیکھ کر پریشان ہوتا ہے اور اپنی ماں کو اس کی اطلاع دیتا ہے۔ لیکن ماں بچے کو تسلی دیتی ہے تا کہ بچہ ڈر نہ جائے۔ اس دوران شکاری گولی چلا دیتے ہیں۔ جب بچہ اپنی ماں کے بدن سے خون بہتے ہوئے دیکھتا ہے تو پریشان ہوتا ہے لیکن ماں اُسے اب بھی تسلی دیتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ یہ خون نہیں ہے۔ یہ لال رنگ کی مٹی ہے۔ کیونکہ میں لال مٹی میں سوئی تھی تھوڑی دیر بعد بکری کو بیہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ تو بچہ پھر پریشان ہو جاتا ہے۔ اور کہتا ہے اے ممی تجھے تو بیہوشی طاری ہو رہی ہے۔ تو ماں پھر بھی ٹال دیتی ہے اور کہتی ہے بیٹا میں نے ماکھوتی پھول کا رس پیا تھا۔ یہ ایک ایسا پھول ہوتا ہے جس کے کھانے سے بیہوشی

طاری ہو جاتی ہے۔لیکن بچہ سمجھ جاتا ہے کہ میری ماں کا آخری وقت آ گیا ہے۔بکری بچے کو جلدی سے بھاگ کر ریوڑ میں شامل ہونے کے لیے کہتی ہے لیکن بچے کو اپنی ماں سے جُدا ہونے کا دِل نہیں کرتا ہے۔اُسے ہزاروں خدشے اور وسوسے ستاتے ہیں۔وہ ممی سے کہتا ہے اے اماں تیرے بغیر تو بڑی بڑی سینگوں والے بکرے مجھے ماریں گے۔تو بکری اُسے نصیحت کرتی ہے بیٹا بڑے بکروں کو ابا کہہ کر پُکارنا۔تو بچہ کہتا ہے اماں تمہارے بغیر مجھے ان کے بچے ماریں گے۔تو بکری کہتی ہے بیٹا ان بچوں کو بھائی کہہ کر پُکارنا۔بچہ کہتا ہے اے اماں تیرے بغیر تو مجھے یہ بکریاں ماریں گی۔تو بکری کہتی ہے اے بیٹے انہیں ماں کہہ کر پُکارنا۔اس کے بعد بکری کا بچہ اپنی اماں سے جُدا ہو کر چلا جاتا ہے دراس کے دردلوگ اس کہانی کو ایک سچا واقعہ سمجھتے ہیں۔اور کہتے ہیں کہ اس واقع کے بعد اُن شکاریوں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے شکار کرنا چھوڑ دیا۔

یہ گانا اُس وقت کا لگتا ہے کہ جب لوگوں نے شکار کرنا چھوڑ دیا تھا اور کھیتی باڑی سے اپنا پیٹ پالنے لگے تھے۔اس گانے سے ان لوگوں کی ذہنی کیفیت اور رحم دلی کا پتہ چلتا ہے۔

☆☆☆

الم شیر اور بیوی کا قصہ

الم شیر دراس کے جانے مانے لوگوں میں گنا جاتا تھا۔شاں سامون کی کئی پشتوں کے بعد الم شیر کا جنم ہوا۔الم شیر کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی ۔الم شیر کو عمر کے آخری حصے میں شادی کرنے کی سوجھی ۔جس کی اطلاع اُن کی بیوی کو بھی مل گئی ۔لیکن بیوی ماننے کے لیے تیار نہیں تھی ۔وہ کہتی تھی کہ الم شیر میرے ہوتے ہوئے دوسری شادی نہیں کر سکتا۔لیکن شادی کے دن جب الم شیر دُلہے کے کپڑے زیب تن کئے اور پگھڑی باندھے گھوڑے پہ سوار ہوئے تو یہ منظر بیوی سے نہیں دیکھا گیا۔اور اُس نے ایک درد بھرا نغمہ گایا۔

اوے ددے الامی وہ
دودے اوژی شوشیوں گا آلے۔
بوجے داوہ لوالم شیر
اش دامن گی بوجونو گیا۔
تو بوجے داوہ ڈیمی ذیل گی
اش پوش نوشو تھاپا پولیس۔
تو بوجے داوہ شیمین دابونا
اش پوش نوش تھاپا پولیس۔
بوجے داوہ لوالم
شیر اش دامن گی بوجونو گیا۔
اٹھو کو نے شو ٹگیے لا
یے اش مئی صورت پچوشونگ شاتی۔

بو ے داوہ اچھوچا گی

اش پوش نُوش تھاپاپولیس ۔

تو بو ے داوہ شین دابونا

اش پوش نوش تھاپاپولیس ۔

بو ے داوہ لوالم شیر

اش دامن گی بو جونو گیا ۔

جیمیل تو توم اسی لیس

اش تومیے جاتو پھل گانوش ۔

اوے بولوک سرا جانو شیک ویم ہل

اش مورے تو نوش گانوش

تا لو بیک دیم ہل تو

پا ٹے کھوسیوں آ لے ۔

اش مووو یو چھی شینگ دو لیلیس ۔

بو ے داوہ کوٹو شت گی

اش پوش نوش تھاپاپولیس ۔

تو بو ے داوہ شین دابونا

اش پوش نوش تھاپاپولیس ۔

بو ے داوہ لوالم شیر

اش دامن گی بو جونو گیا ۔

تھی آسیر یڑ پوچیک ہِی تو

اش موا تھالی چھیش دولیم بل۔

اش پوش نوشوہ

موہوپٹوتو بٹ دولی لیس۔

تھیی آسیریژ دیںیک بیژتو

اش مودرا شیشو کینِ دولیم بل۔

اش پوش نوشوہ مو

دو یو چھیشینگ دولیلیس۔

بو جے داوہ ڈیی ذیل گی

اش پوش نوش تھاپا پولیس۔

تو بو جے داوہ شین دابونا

اش پوش نوش تھاپا پولیس۔

بو جے داوہ لوالم

شیر اش دامن گی بو جونو گیا۔

ترجمہ:۔

الم شیر کی وطن کےوہ دودھیا چشمے اب سوکھ رہے ہیں۔

اے الم شیر کیا آپ نے بچ مُچ جانے کی ٹھان لی ہے؟

آپ کے ساتھ میری جسم کی حالت بھی جا رہی ہے۔ہائے اولاد نہ ہونے سے میں اندھیرے میں گر گئی۔

اے شین مملکت کے بادشاہ کیا آپ بچ مچ جا رہے ہیں۔ ہائے اولاد نہ ہونے سے میں اندھیرے میں گر گئی۔

اے الم شیر کیا آپ نے بچ مچ جانے کی ٹھان لی ہے۔

گھر میں بہت ساری ماہ جبینیں ہیں۔ہائے آج میری صورت بھی پیچھے رہ گئی۔

آپ کے ساتھ میری آنکھوں کی روشنی بھی جارہی ہے۔ہائے اولاد نہ ہونے سے میں اندھیرے میں گرگئی۔
اے شین مملکت کے بادشاہ کیا آپ سچ مچ جارہے ہو۔ہائے اولاد نہ ہونے سے میں اندھیرے میں گرگئی۔
اے صبح کی روشنی الم شیر کیا آپ سچ مچ جارہے ہیں۔
رجیمیل ایک اونچے درخت کی طرح تھی۔مگر افسوس اس درخت پہ پھل نہیں ہے۔
آج میں بولوک سمندر میں تیر جاتی افسوس میرے پاس تیرنے کا ہُنر نہیں۔
آج میں آسمان میں اُڑ جاتی۔افسوس میرے پر آج ختم ہوگئے۔
آج میں پانی میں بہنے والا لکڑی کا ٹکڑا بن گئی۔
اے الم شیر آپ میرے گھٹنوں کی طاقت بھی لئے جارہے ہو۔
اے شین مملکت کے بادشاہ کیا آپ سچ مچ جارہے ہو۔ہائے اولاد نہ ہونے سے میں اندھیرے میں گرگئی۔
اے الم شیر کیا آپ سچ مچ جارہے ہو۔ہائے اولاد نہ ہونے سے میں اندھیرے میں گرگئی۔
تیری اس بے شمار زمین کے لیے کوئی اولاد ہوتی تو میں اونچا پہاڑ بن جاتی
لیکن افسوس اولاد نہ ہونے کی وجہ سے میں ڈھلوان میں موجود پتھر بن گئی۔
تمہاری اس بے شمار زمین کے لیے کوئی لڑکی ہوتی تو میں چوکھٹ کا پتھر بن جاتی
لیکن افسوس اولاد نہ ہونے کی وجہ سے میں پانی میں بہتا ہوا لکڑی کا بیکار ٹکڑا بن گئی۔
اے الم شیر آپ کے ساتھ میری جسمانی حالت بھی جارہی ہے۔ہائے اولاد نہ ہونے سے میں اندھیرے میں گرگئی۔
اے مملکت شین کے بادشاہ کیا آپ سچ مچ جارہے ہو۔ہائے اولاد نہ ہونے سے میں اندھیرے میں گرگئی۔

گانے میں بہت سارے خوبصورت الفاظ کا استعمال ہوا ہے جو بعد کے زمانے میں ضرب المثل کی حثیت اختیار کر گئے۔مثال کے طور پر مندرجہ ذیل الفاظ پر غور کریں۔

'اُتھالی چھیش' اونچی چوٹی (بلند حوصلے والے شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے)

ٗہنوپُو بٹ'' ڈھلوان کا پتھر (جسے کسی بھی وقت گرایا جا سکتا ہے۔ جس کی کوئی اہمیت نہ ہو۔)

ٗمو یوچھیشینگ' دریا میں بہتا ہوا لکڑی کا ٹکڑا۔ جس کی کوئی اہمیت نہیں۔

درشیشوکینٗ وہ پتھر جو چوکھٹ کے اوپر لگتا ہے۔جس پر پوری دیوار کا بوجھ ہوتا ہے۔ جس کے کاندھوں پہ پوری زمداری ہو۔

شین دیونا۔ مملکت شین کے بادشاہ۔ امیر آدمی

ایسے بہت سارے الفاظ ترتیب وار خوبصورت انداز کے ساتھ جوڑے گئے ہیں۔جس کی وجہ سے یہ گیت امر ہو گیا ہے۔

اس گیت میں عورت کو اپنا شوہر یعنی الم شیر شین مملکت کا بادشاہ لگتا ہے۔اُسے اپنے شوہر سے بہت محبت ہے اور اپنے شوہر پر پورا بھروسا بھی ہے۔جب اُسے لگتا ہے کہ اُس کا شوہر دوسری شادی کر رہا ہے تو وہ شوہر کو کوئی دوش نہیں دے رہی ہے بلکہ اپنی قسمت سے شکوہ کر رہی ہے کہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے میں اندھیرے میں گر گئی۔یعنی میری دُنیا ویران ہوگئی میرا سرتاج شین مملکت کا بادشاہ اس طرح مجھے چھوڑ کر جا رہا ہے تو میری آنکھوں کی روشنی،جسم کی طاقت چلنے پھرنے کی طاقت سب کچھ ختم ہوگئی۔گویا محبوب کے بغیر یہ ساری چیزیں بیکار ہیں۔اس کے علاوہ میں تو نہایت ہی خوبصورت تھی۔میرا یہ حُسن صرف اور صرف میرے محبوب کے لیے تھا میں اُسی کے لیے سجتی تھی سنورتی تھی۔اب جب محبوب ہی نہیں رہا تو اس حُسن اور اس خوبصورتی کا کیا فائیدہ۔محبوب کے بغیر میری حثیت ایک لڑھکتے پتھر کی سی ہے۔محبوب کے بغیر میری زندگی ایک پانی میں بہنے والے لکڑی کے ٹکڑے سے زیادہ نہیں۔گویا محبوب ہے تو سب کچھ ہے محبوب نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

اس نغمے کے بول بہت ہی میٹھے ہیں اور ایک عورت کی دلی جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے۔کہتے ہیں کہ یہ گانا سُن کر الم شیر گھوڑے سے اُترے اور پگھڑی اُتار دی اور شادی کا ارادہ ترک کر دیا۔جب الم شیر نے شادی کا ارادہ ترک کر دیا تو الم شیر کے چاہنے والوں نے اس عورت کو کوسا اور کہا کہ آپ کی جہالت کی وجہ سے الم شیر بے اولاد مرے گا۔

لیکن یہ بوڑھی عورت یہ طنز برداشت نہ کر پائی۔اور الم شیر کی تسلی کے لیے اپنی پیٹ کے گرد چند کپڑے لپیٹ لیے اور حاملہ ہونے کا ڈھونگ رچالیا۔لیکن خدا کا کرنا اسی دوران عورت حاملہ ہوئی اور اُسے ایک بیٹا پیدا ہوا۔اور اللہ نے اس بوڑھی عورت کی لاج رکھ لی۔

کہاجاتا ہے کہ الم شیر کا یہ لڑکا بڑا ہی خوش بخت ثابت ہوا اور اُن کا خاندان پورے دراس میں پھیل گیا۔الم شیر کا خاندان آج دراس کے بہت سارے گاوں میں پھیلا ہوا ہے۔

گانے میں ''دراشیشو بٹ''یعنی چوکھٹ کا پتھر۔کا ذکر آیا ہے۔یہ ایک پتھر کی سِل ہوتی تھی جو چوکھٹ کے اوپر لگتی تھی ۔پُرانے زمانے میں چوکھٹ کے اوپر لکڑی لگانے یا سیمنٹ کی بیم لگانے کا رواج نہیں تھا۔کیونکہ لکڑی ملتی ہی نہیں تھی اس لیے ہر چوکھٹ کے اوپر ایک پتھر کی سِل لگائی جاتی تھی جو دروازے کے اوپر کی دیوار کے بوجھ کو اُٹھالیتا تھا۔در اصل یہ ایک محاورہ ہے جس کے معنی ہیں بوجھ اُٹھانے والا۔

ایک عورت کا قصہ

جس کا شوہر اور سُسر شملہ سے واپس نہیں آئے

تا مے سور یونیو گا کواڑ ے
وہ شملہ تو بازارا جا گاہانے ۔

تا بے تیمو گا سوری
وہ شملہ تو بازارو جا گا جل دِن

تھورے اچھارو گا ہل تو
ریلی تو تو تک موں گی دولیم ۔

تھوتو اُنیلا گا بیل تو
ڈاپیو تو ٹیکی مو دولیم ۔

تھورے اُنیا لیک گا آل تو
شا کیرواُڑ گا مودولیم ۔

ڈانگے کھانٗو رے کھلا جوجا
وہ خودائی رسول ہی جہ تھے کھازا۔

ڈانے کھانٗو رے کھالا
جوجا وہ پیرا جوملا ددگی گا کھازا۔

دمدم دارو مو کھالا تاس تو
کینٗی تو زورو یک گا آلی۔

دمدم کو بۓ مو آلیس تو
وہ چونے تو مالا مو چی گا رینا۔

تھوتو نے رانے وہ ما مو چی
دودی تو تھی کا کی گا ہانیس

دودی تھی آجئ گا دیا نگہا تو
معصوم تو جاوانے جا گا چھی دی۔

تھو جا جو ٹیک گا تھیا لا لیت تو

سرکاری ڈاک خانے جا گہ تھیا نو

ترجمہ:۔

اس دھوپ والی جگہ کے میرے گدشملہ کے بازاروں میں ہیں

ہم یتیموں کا سورج شملہ کے بازاروں میں چمک رہا ہے

تمہیں اگر تنگی ہوئی تو میں پیتل کی بانسری بن کر آپ کا دل بہلاوں گی۔

اگر تمہیں بھوک لگی تو میں تمہارے لیے پکی روٹی بن جاوں گی

اگر تمہیں پیاس لگی تو میں میٹھا چشمہ بن کے تمہاری پیاس بُجھاوں گی۔

اونچے اونچے پہاڑوں میں چڑتے وقت خدا رسول کو یاد کر لینا۔

اونچے پہاڑوں میں چڑتے وقت پیر کی مدد طلب کر لینا۔

جب میں باہر آئی تو ایک کالی گھٹا چھائی ہوئی ہے۔

جب میں گھر میں آتی ہوں تو چھوٹے بچے روتے ہیں۔

اے بچے تُم کیوں روتے ہو ابھی تو تمہاری بہن زندہ ہوں

تمہاری اماں کی اُمید تو اس معصوم جوانی میں ختم ہوگئی۔

تم اگر کوئی خط لکھو گے تو سرکار کے ڈاک خانے میں بھیج دینا۔

اس گانے میں ایک عورت اپنی پریشانی بیان کرتی ہے جب اُس کے گھر کے مرد شملہ میں پھنس جاتے ہیں ۔پُرانے زمانے میں یہاں کے لوگ پنجاب اور ہماچل کام کی تلاش میں جاتے تھے اور برف باری ہونے کی وجہ سے کبھی کبار وہیں پہ پھنس جاتے تھے۔اس طرح مردوں کے پھنس جانے سے اُن کی عورتوں کو ہزار قسم کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔اس عورت کو بھی چھوٹے چھوٹے بچے پالنے پڑھ رہے ہیں اور ساتھ میں اپنے گھر والوں کی فکر بھی ستا رہی ہے ۔کہ وہ کس حال میں ہونگے ۔گانے میں اُنہیں اللہ کو یاد کرنے اور اُس کے رسول ﷺ کو یاد رکھنے کی نصیحت کر

رہی ہے اور ساتھ میں پیر سے مدد مانگنے کی بھی صلاح دے رہی ہے۔ اسی کے ساتھ ڈاک خانے کے ذریعے خط و کتابت کرنے کا بھی مشورہ دیتی ہے۔ اپنی نا اُمیدی کا اظہار بھی کر

رہی ہے۔

ایسے ہزاروں گیت جنہیں کسی کتاب میں لکھ لینا سمندر کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے۔ دراصل جب بھی کوئی دل دُکھانے والی بات ہوتی تو لوگ ایک دم سے گیت کی شکل میں پیش کرتے تھے۔ اس سے یہ فائیدہ ہوتا تھا کہ واقعات اور قصے یاد رہا کرتے تھے اور نسل در نسل منتقل ہوتے رہتے تھے۔ اس طرح لوک ادب کا انمول سرمایا لوگوں کے دلوں میں محفوظ ہو گیا۔ لیکن اس ادبی سرمائے کو ضبط تحریر میں لانے کی کسی نے بھی کوشش نہیں کی۔

☆☆☆

ایک بھائی کی فریاد

جس کے بھائی کو دریا کی موجوں نے غائب کردیا

ٹُوتو ڈُشٹی وہ گُلو میلی۔
وہ چا گُو روالا چوشیک گانا لایے۔

دم دم تو کو جے مُو گالا لوس تو۔
وہ شو نگیے تو سازارے گارینے۔

تھوتو چے نے راتا وہ شو نگیے
لیلیکھا رتو خدائی گا نیلی۔

چے تو گرا اُورے گا چالا کیم تو۔
ڈُودوکا کے بلیا گے گا نوش نو

دم دم دلا رو گا مُو کھالا توس تو
وہ شالا رے تو ٹُوری گا ریلینا۔

تھوتو نے راتا وہ ٹولوری وہ
لیلیکھا رتو خدائی گا ئیلی ۔

دم دم دلا رے مُوکھالاتو س تو
وہ دُو دوکا کئی مجالیسک وہ خودائی

میوتو چے کا کوگا نوش نے
وہ مجالیس تو اچھا ریک گاہالانی ۔

تا مئے یا زبیک گا گو و ٹے ۔
وہ گو ٹے تو بیوں گا آلا نے ۔

تا چے مئے تا اُوئی دیم گا پلا ٹے ۔
وہ پلا ٹے تو کھولوسیوں گا آلا نے ۔

تا چے میو کا کئی گا ہبا سوجاو
ہ اُموریوتو نوکا ریک می گا دالوس ۔

ترجمہ: ۔

اے بہار میں بہنے والی دریا تُو تو کتنی بے رحم ہے ۔تیری موجوں نے ایک نوجوان کو غائب کر دیا ۔

میں جب گھر کر اندر گیا تو جوان بہنیں ماتم کر رہی تھیں ۔
اے بہنو آپ اس طرح فریاد مت کرنا یہ تو خدا نے تقدیر میں لکھ دیا تھا۔
میں جب گھر کے اندر بیٹھک پہ دیکھ لیتا ہوں تو وہاں بھائی نظر نہیں آ رہا ہے ۔
میں جب باہر آیا تو دیکھا کہ خزاں کے موسم میں پرندے فریاد کر رہے ہیں ۔
اے خزاں کے پرندو فریاد نہ کرنا یہ تو خدا نے تقدیر میں لکھ دیا تھا۔
جب میں نے دروازے کی طرف دیکھ لیا تو پیارے بھائی کے لیے ایک مجلس کا اہتمام کیا گیا تھا۔
اس مجلس میں بھائی موجود نہیں ہے ۔اے میرے خدا یہ مجلس مجھے سُونی سُونی لگتی ہے ۔
یہ مجھے چلانے والے گھٹنے ۔آج ان میں حرکت بھی ختم ہو چکی ہے ۔
اے مجھے آسمان میں اُڑانے والے پر آج میرے پر مُرجھا چکے ہیں ۔
میں نے بھائی کی خوشی میں یہ زندگی نوکر بن کے گذاری تھی ۔

اس گیت میں ایک بھائی اپنے گذرے ہوئے بھائی کی بڑی شدت سے یاد کر رہا ہے ۔گانے میں بھائی کی جُدائی کا صدمہ نا قابل برداشت ہے ۔اس گیت سے پتا چلتا ہے کہ بھائی کا رشتہ کتنا حساس اور اہم ہوتا ہے ۔یہ بدنصیب بھائی اپنے بھائی کے بیواوں اور بچوں سے بھی نصیحت کر رہا ہے ۔اور کہتا ہے کہ اللہ کے حکم کے آگے کسی کا نہیں چلتا ۔اور جو تقدیر میں لکھا ہے وہی ہو کر ہی رہتا ہے ۔تقدیر کا لکھا کوئی بھی نہیں مٹا سکتا ۔وہ اپنے بھائی کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو فریاد کرتے ہوئے پنچھیوں سے تعبیر کرتا ہے ۔اور اُنہیں بھی دلا سا دیتا ہے ۔اور ساتھ میں بھائی کی جُدائی میں اُس کی دُنیا کس قدر ویران ہوئی ہے اس کا خوبصورت منظر بھی پیش کر رہا ہے ۔اُسے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا ہے حالانکہ لوگوں نے اس کے بھائی کو دُعائے مغفرت کے لیے مجلس سجائی ہے ۔لیکن اس شخص کو یہ مجلس بھی اچھی نہیں لگتی ہے اور سارا سنسار سُونا سُونا لگتا ہے ۔دریائے دراس راستے کے ساتھ ساتھ ہے ۔یعنی راستہ اور دریا تقریباً ساتھ ساتھ چلتا ہے ۔اس وقت بھی نیشنل ہائی وے دریا کے ساتھ

ساتھ ہے ۔اس لئے اکثر کسی گاڑی کا حادثہ پیش آتا ہے تو گاڑی سیدھی دریا کے بیچ جا گرتی ہے ۔اس طرح ایکسیڈنٹ سے کم اور دریا کے پانی سے اموات زیادہ ہو جاتی ہیں کبھی کبار تو انسان کی لعش تک نہیں ملتی ۔اسی لئے ایک پُرانی کہاوت اس دریا کے بارے میں شینا زبان میں موجود ہے ۔'ہو ماسو سن منوش ماری ۔شنگو سن کٹا ساری' یعنی دریاے دراس انسانوں کی جان لیتی ہے ۔جبکہ دریائے شنگو لکڑیاں ڈھوتی ہے ۔شنگو کا دریا کا کسر کے پاس دریائے دراس سے ملتا ہے

باب ششم

(چند اور گیت)

ایک گیت جس میں منارو کے ظلم کا ذکر ہے

بچھل دارونی جاچونیے بوہارے شیجین ۔
ہتی گی نے راپھون تو مینو خدائی سورچھی ۔

ہوبچھل دارونی جاچونیے بوہارے شیجین ۔
اجہ خدائی قدرت گی گھی پچلا ریوں گاوازی۔

ہوشا شیرِ شیری موتھیرِ یو بوآلیس ۔
میرِ سے ڈلڈ لی اجے بوئے پروتا لے شا کے۔

اِک تو مومرا دو کونیو بیلے نے تھے
چونیے بٹو کیے گی دے سُو کیر بجو رات ترے ایم۔

گڈو کیے گا باشین جیلو آنشی پچالاں ۔
جل وہ ساماتی خان بوجوں تلا یار گاہا نو۔

وہ چھیلا سے جو آلے بڑے چھودالے دووہ
اٹھو کو بجے جاکیے شاویں پلایوں گا کھاتے۔

وہ پھراثرا ٹو کہ آلے بڑے پیالے دووہ
اٹھو کو بجے جاگئے شاویں اُشاریوں گا کھاتے۔

وہ انگارو دیزے جاریز یک دیالے۔
تھئ مرا پیئے رے رزق کا مین گابونی۔

وہ شری جاویالے اجی مشکو یو پچے۔
تھئ مرا پیئے رے رزق کا مین گابونی۔

ترجمہ
پھیلی ہوئی زمین میں چھوٹے تارے بچھے ہیں۔
ان ستاروں کی مدد خدا کرے گا ہم کچھ بھی نہیں کرسکتے۔
پھیلی ہوئی زمین میں چھوٹے تارے بچھے ہیں۔
خدا کی قدرت دیکھو جیسے گھی کے پیالے ہیں۔
ساس کی بات سہی میں تیرے ساتھ ساتھ چل رہی ہوں۔
مجھے آج بھی اپنی ماں کے آستین سے باہر نکلے بازو یاد آرہے ہیں۔

ایک تو میں پہلے سے مری ہوں اوپر سے مجھے ڈراتے کیوں ہو۔
میں پتھر مار مار کے "سوکی بوراٹ" (کاکسر کا ایک پہاڑ) پار کروادوں گی۔
کچھ آوازیں آرہی ہیں۔جنگل سے گھوڑے پہنچ چکے ہیں۔
اے میری جان صمد خان تو جانے کے لیے تیار ہو گیا ہے۔
چھیلاس (پاکستان کا ایک علاقہ) سے دو بڑے مہمان آگئے ہیں۔
گھر کے اندر گھس گئے اور گرد و غبار اُڑاتے ہوئے باہر نکلے
پھراساٹ (پاکستان کا ایک علاقہ) سے دو بڑے گڈرئے آئے۔
گھر کے اندر گھس گئے اور چھت میں لگے کاجل کو اُڑاتے ہوئے باہر نکلے۔
منگل کے دن رزق کو جلا دیا۔خدا کرے ان کے گھر میں رزق کی تنگی ہو۔
دودھ دہی میں گیلے پتے (کچرا) ڈال دیا۔خدا کرے ان کے گھر میں رزق نہ رہے۔

اس گانے میں ایک عورت پہلے باہر کا منظر پیش کر رہی ہے۔کتنا خوبصورت ماحول ہے ایسا لگتا ہے کہ قدرت نے آسمان سے ستارے زمین میں اُتارے ہوں۔یا گھی کے پیالے زمین میں اُترے ہوں۔عورت اپنی بے بسی کا ذکر بھی کر رہی ہے کہ ہم اس خوبصورت بستی کو بچانے کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔اس خوبصورت بستی کی حفاظت تو اللہ ہی کر سکتا ہے۔عورت اپنی ساس کی نصیحت کو بھی یاد کر رہی ہے جس نے کہا ہے کہ آپ دونوں ساتھ ساتھ رہنا ایک دوسرے کا ساتھ کبھی نہ چھوڑنا۔عورت کو اسی اثنا اپنی ماں کی بھی یاد آرہی ہے۔اور مخصوص اپنی ماں کے آستین سے باہر نکلے ہوئے بازو یاد آرہے ہیں۔اس کے کئی مطالب ہو سکتے ہیں۔ایک یہ کہ ان کی ماں بہت ہی بہادر رہی ہو اور آستین اوپر نکال کر ان ظالم لوگوں کا مقابلہ کیا ہو۔یا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ ان کی ماں کو بھی ان لوگوں نے زبردستی اُٹھایا ہو اور اُن کے لیتے وقت اُن کے بازو باہر نکلے ہوں۔ عورت اپنے معشوق سے مخاطب ہے اور کہتی ہے کہ سب لوگ بھاگ رہے ہیں۔جیسے صمد خان نامی شخص بھی گھوڑے تیار کر رہا ہے۔ اپنا ڈر بیان کرتے ہوئے فرماتی

ہے کہ میں ادھ مری ہوں اور مجھے اور بھی کیوں ڈراتے ہو۔اور اپنے غصے کا اظہار بھی کر رہی ہے۔پھر کچھ لوگوں کو گھر کے اندر گھستے ہوئے دیکھ لیتی ہے اور گھر کو صاف کرتے ہوئے دیکھ لیتی ہے۔پھر گھر کی تباہی کا منظر بیان کرتی ہے کہ ان لوگوں نے گھر کے اندر دھول اور گردہ اُڑایا۔اور کھانے پینے کی چیزوں کو جلا دیا ہے اور دودھ دہی میں گندگی ڈال کر نا قابلِ استعمال بنا دیا ہے۔عورت خدا سے دُعا کر رہی ہے کہ اے خدا ان کو رزق کی ایسی تنگی کر دے کہ یہ دانے دانے کے لیے ترس جائیں۔

منا رو یا منا روز مانے قدیم کے لُٹیروں کو کہا جاتا ہے۔یہ لوگ پاکستانی علاقوں سے آکر دراس میں لوٹ مار مچاتے تھے۔اور یہاں کے مال مویشی، قیمتی ساز و ساماں، خوبصورت عورتیں اور جوان بچوں کو اغوا کر کے لے جاتے تھے۔ اُس زمانے میں جب یہ لُٹیرے آجاتے تو لوگ اِدھر اُدھر چھپ جاتے اور اُن سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتے۔یہ لوگ کبھی کبار گھر کے اندر کچھ نہ ملنے پر گھر کے اندر موجود کھانے پینے کی چیزوں کو برباد کر کے چلے جاتے تھے۔

منا رو سے متعلق سیکڑوں داستانیں دراس کے لوگوں میں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی چلی آرہی ہیں ایسی چند ایک کہانیاں جنہیں جموں کشمیر میں آباد شین دردوں کی مختصر تاریخ کے مصنف رضا امجد بڈگامی نے مقامی روایت کے حوالے سے درج کیا ہے۔

علے خان اور منارو کا واقع

جس زمانے میں شنگو شغرو دراس علاقوں میں مینارے کا خوف چھایا ہوا تھا شمشاہ کے ایک بہادر شخص علے خان نے بہادری اور شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان لوگوں کے ساتھ مقابلہ کیا۔ایسا ہی ایک واقع قارئین کی دلچسپی کے لئے ملاحظہ ہے۔

مینارے جو کہ علاقے دراس کو وقتاً فوقتاً لوٹتے رہتے تھے ایک روز لوٹ مار کرتے ہوئے شمشاہ گاوں کے قریب پہنچے

تفاق سے اسی روز علے خان کے گھر میں اسی کے نام پر بھنڈ رے کا اہتمام کیا گیا تھا۔گاوں کے سبھی مرد وزن اور بچے اس تقریب میں جمع تھے۔اچانک مینارے کی آمد کی خبر سے لوگوں میں خوف وحراس پھیل گیا۔شین/دردوں میں قدیم الایام سے ہی یہ رواج تھا کہ اس قسم کی تقریبات میں ذبح کی گئی بھیڑ بکریوں کے گوشت کا ایک مخصوص حصہ جو شینا زبان میں فیجو کہلاتا ہے گاوں کے سرکردہ کو دیا جاتا تھا۔علے خان چونکہ گاوں کا سرکردہ تھا لہٰذا اس دن فیجو شخص مذکورہ کو دیا گیا۔اسی دوران مینارے پاس ہی آچکے تھے۔علی خان نے لوگوں کو فوراً گاوں خالی کر کے پہاڑ میں چھپنے کی ترغیب دی۔تمام لوگ بال بچوں کو لے کر پہاڑ میں پناہ لینے کی غرض سے بھاگ نکلے۔بدقسمتی سے علے خان کے گھر کی ایک عورت حالت زچگی میں تھی۔وہ اس عورت اور بچے کو بھوسہ خانہ میں چُھپا کر وہاں سے فرار ہوا۔مینارے گھر گھر جا کر لوگوں کو تلاش کرنے لگے تاہم انہیں کوئی نہیں ملا۔یہ لوگ علے خان کے گھر میں پہنچے تو انہیں ''فیجو'' ملا۔جو علے خان بگدڑ میں چھوڑ گیا تھا۔مینارے کو یقین ہوا کہ لوگ بھاگ چُکے ہیں۔اسی دوران انہیں بچے کے رونے کی آواز سُنائی دی۔یہ لوگ بھوسہ خانے سے عورت اور بچے کو ساتھ لئے تھسگام کے قریب پہنچے تھے کہ بچے کے رونے دھونے سے تنگ آکر ان ظالموں نے اس کے سر کو کاٹ ڈالا اور نیزے پر چڑھالیا۔

ادھر شمشاہ کے لوگ جب واپس گھر لوٹے تو معلوم ہوا کہ مینارے اس عورت اور بچے کو ساتھ لے گئے ہیں۔علے خان غصے سے بے قابو ہو کر تلوار اُٹھائے مینارو کے تعاقب میں نکلا۔یہ لوگ لوٹ مار کرتے ہوئے تھکے ہارے میدان دیوسائی میں ڈھیرا جمائے بیٹھے تھے۔علے خان بھیس بدل کر ایک خدمت گار بن کر اس گروہ میں شامل ہوا۔چونکہ یہ لوگ ہفتوں سفر کی وجہ سے تھک چُکے تھے۔علے خان نے انہیں آرام سے سو جانے کی ترغیب دی۔اور خود قافلے کے لئے کھانے کا انتظام کرنے کے بہانے اپنے دو دیگر ساتھیوں کے ساتھ سُلگتی آگ میں تلوار کو دھار دینے لگے۔جب مینارو کا سارا گروہ گہری نیند سو رہا تھا تو علے خان نے اپنے دیگر دو ساتھیوں کی معاونت سے اس پورے گروہ کو ابدی نیند سُلا دیا۔شمشاہ میں آباد علوی خاندان کا تعلق اسی بہادر شخص علے خان کے سلسلے نسب سے ہے۔جن میں مرحوم حاجی غلام محمد اور حاجی اسمائیل قابل ذکر ہیں۔

مناروکے پہلی بار دراس پہنچنے کا واقع

میناروسے متعلق سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے آرہی ایک اور روایت کے مطابق جس زمانے میں دراس راجگانِ لداخ کے زیرِ نگین تھا۔اُس زمانے میں دراس کے ایک شخص کو کہ جس کا نام معلوم نہیں ہوسکا، راجہ لداخ نے بغرض وصولی مالیہ مقرر کیا تھا۔ مذکورہ شخص چونکہ راجہ لداخ کی جانب سے اس کام کے لئے معمور تھا ہر سال اہلیانِ دراس سے بڑی مقدار میں مالیہ اکھٹا کرتا تھا۔کئی سال تک مالیہ وصول کرنے کا کام انجام دیتے ہوئے اس شخص نے بادشاہ کو یہ کہہ کر مالیہ کی جمع شدہ رقم بھیجنے سے معذرت ظاہر کی، کہ دراس میں بوجہ قحط سالی کے عوام مالیہ ادا کرنے سے قاصر ہیں۔در اصل اس عرصے میں مذکورہ شخص عوام سے برابر مالیہ وصول کرتا رہا۔اس ترکیب سے اس شخص کا شمار مختصر عرصے میں دراس کے رئیسوں میں ہونے لگا کہتے ہیں موضع سماٹ کے ایک شخص نے فصل بوئی کے لئے بیج فراہم کرنے کی گذارش کی۔راجہ لداخ کی جانب سے تعینات (راجوتولو) یعنی راجہ کا مالیہ اکھٹا کرنے والے کے انکار پر یہ شخص شکایت لے کر لیہہ پہنچا اور راجہ سے اصل حالات بیان کئے۔شکایت موصول ہونے پر راجہ نے تحقیقات کے لئے اپنے ملازموں کو دراس روانہ کیا۔نیز گرفتار کرنے کا حکم بھی صادر کیا۔راجہ کے ملازمین جب راجوتولو کے گھر پہنچے تو نہایت ادب سے اُس نے استقبال کیا۔مقامی لوگوں کی زبانی اس شخص کی بہادری اور دولت کا علم ہوتے ہی یہ ملازمان اُسے گرفتار کرنے کی جرات نہ کر سکے۔اور خالی ہاتھ واپس لوٹے۔بادشاہ نے اِس شخص کی اصلیت معلوم ہونے پر اس کی گرفتاری کے لئے دوبارہ آدمی بھیجے۔ اور اُسے لیہہ پہنچایا گیا۔راجہ نے اپنے درباریوں سے صلاح مشورے کے بعد اس شخص کے لئے سزائے موت تجویز کی۔لیکن رانی نہیں چاہتی تھی کہ اُسے موت کی سزا دی جائے۔چونکہ رانی کو دراس کے اس شخص کی بہادری اور چالاکی کا حال اپنے ملازمین کے وساطت سے معلوم ہوا تھا۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ ایسے بہادر شخص کو سزائے موت دی جائے۔ادھر راجہ، رانی کی گذارش کے باوجود اس سرکش کو معاف نہیں کرنا چاہتا تھا۔لیکن رانی کی بات کی لاج رکھنے کے لئے اُس نے حیلے سے راجوتولو کو معاف کرنے کی

بات کہی ۔ساتھ ہی اپنے درباریوں کو حکم دیا کہ شاہی کُتے کو تین دن تک بھوکا پیاسا رکھا جائے ۔راجہ کے حکم کے مطابق کُتے کو تین دن تک بھوکا پیاسا رکھا گیا ۔اور چوتھے دن اس شخص کو بھوکے کُتے کے سامنے پھینک دیا گیا ۔ چونکہ یہ شخص فطری طور بہادر تھا ۔اُس نے اپنا (فردو) یعنی گلوبند اُتار کر اپنے ہاتھ پر لپیٹا ۔اور اس ہاتھ کو کُتے کے منہ میں ڈال دیا ۔کہتے ہیں کہ گلوبند کو کُتے کے منہ کے اندر ہی رکھ کر اپنے ہاتھ کو بسلامت چُھڑوایا ۔اگلے روز راجہ کے آدمی اُس کی لاش کو ٹھکانے لگانے کی غرض سے حاضر ہوئے تو راجوتو لو کو زندہ دیکھ کر دنگ رہ گئے ۔اور بادشاہ سے اصل واقع بیان کیا ۔راجہ حیران تھا کہ کیسے اس شخص کو کیفیر کردار تک پہنچایا جائے ۔چونکہ اُس زمانے کے دستور کے مطابق ایک بار موت کے منہ سے زندہ بچنے والے کے لئے دوبارہ سزا نہیں دی جاتی تھی ۔اُس کے لئے یہ سزا تجویز کی گئی کہ اُس کے ماتھے پر مہر ثبت کر کے اُسے اشتہاری مجرم قرار دیا جائے ۔لہٰذا لوہار کو حکم دیا گیا کہ وہی سرِ دربار راجوتو لو کے ماتھے پر مہر ثبت کرے ۔اپنے لئے یہ شرم ناک سزا کا حکم سُنتے ہی راجوتو لو لوہار کے گھر پہنچا ۔رسمی طور چائے وغیرہ پینے کے بعد اُس نے چائے کی پیالی چاندھی کے روپیوں سے

بھر دی ۔لوہار اس شخص کی دریا دلی اور تونگری پر حیران تھا ۔لوہار کو اپنے جال میں پھنستے دیکھ کر راجوتو لو نے اُسے یہ پیش کش کی وہ اُس کے لئے معین شدہ سزا کے سلسلے میں کوئی ایسی ترکیب نکالے جس سے اُس کے ماتھے پر نشان باقی نہ رہے ۔بدلے میں وہ یعنی راجوتو لو لوہار کو سونے اور چاندھی سے مالامال کر دے گا ۔لوہار نے موقع کو غنیمت جان کر بے فکر رہنے کا مشورہ دیا ۔سزا کے لئے مقرر شدہ دن راجوتو لو کو سرِ دربار پیش کیا گیا ۔اور لوہار سے مہر ثبت کرنے کے لئے کہا گیا ۔منصوبے کے تحت لوہار نے مہر کے برابر چمڑے کا ایک ٹکڑا راجوتو لو کے ماتھے پر رکھتے ہوئے مہر ثبت کیا ۔آگ کے شعلوں میں گرم کی ہوئی مہر جب راجوتو لو کے ماتھے پر پیوست کھال پر پڑی تو اُس پر سے دھواں اُٹھنے لگا ۔راجہ اور درباریوں نے سزا کو حکم کے مطابق تصور کرتے ہوئے اطمینان ظاہر کیا اور راجوتو لو کو فی الفور دراس جانے کا حکم دیا گیا ۔اپنے وطن واپس آنے پر اُس نے اپنے حریفوں سے بدلہ لینے کی ٹھان لی ۔اس غرض سے اُس نے مطلوبہ مشکوک اشخاص کو کوشن قلعہ میں مدعو کیا ۔اور قلعے کو سُپرد آگ کر کے اُن سبھوں کا خاتمہ کیا ۔اُس کی کارستانی کا حال معلوم ہوتے ہی دراس کے لوگوں نے اُسے بدلہ لینے کا فیصلہ کیا ۔اور اُسے دوران چوغان بازی

موت کے گھاٹ اُتارنے کا منصوبہ بنایا۔چوغان بازی کے لئے مقررہ دن یہ شخص جب اپنے گھوڑے پہ سوار شغرن پہنچا تو سازندوں نے ساز کے ذریعے اُس کی موت کے لئے رچائی گئی سازش کا پردہ فاش کیا۔حال معلوم ہوتے ہی وہ اپنے تیز طرار گھوڑے دوڑاتے ہوئے چنگاری کی طرح بطرف استور فرار ہوا۔وہاں اپنے خیر خواہوں کی مدد سے اُس نے مینارو کا ایک گروہ اپنے دشمنوں کو تہس نہس کرنے کی غرض سے دراس پہنچایا

۔اس طرح ان منارو نے دراس میں خوب لوٹ کھسوٹ مچائی۔اور بڑی تعداد میں مال مویشی اور انسانوں کو ہانکتے ہوئے اپنے ساتھ لے گئے۔کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ گروپ مینارو کا پہلا گروپ تھا جس نے دراس کے عوام کو اپنے ظلم کا نشانہ بنایا۔بعد میں یہ سلسلہ ایک معمول بن کر لوگوں کو مدتوں حراساں کرتا رہا۔یہی وجہ ہے کہ آج بھی دراس کے ہر شخص کی زبان سے مینارو کا نام سُنا جاتا ہے۔اور ہر اُس بُرے شخص کو مینارو سے تشبیہ دی جاتی ہے۔اس طرح زور زبردستی یرغمال بنائے گئے لوگوں کو یا تو غلام بنائے جاتے تھے۔یا پھر بدخشاں کی منڈی میں لے جا کر فروخت کرتے تھے۔

(جموں کشمیر میں آباد شین دردوں کی مختصر تاریخ۔مصنف رضا امجد صفحہ نمبر 169-164)

راقم کی تحقیق کے مطابق جس شخص کا ذکر مصنف نے کیا ہے اس کا نام ستار تھا۔

سال 1821ء میں جب ولیم مورکرافٹ دراس پہنچا تو اُس رات دراس میں حصورہ کے لُٹیروں نے حملہ کیا تھا۔ولیم مورکرافٹ نے اپنے ملازموں سے ہوائی فائر کروایا جس کے بعد یہ لُٹیرے بھاگ گئے۔بعد میں پتا چلا کہ ان لٹیروں نے اپنے ساتھ تقریباً دس ہزار بھیڑ بکریاں 800مال مویشی، 500 گھوڑے اور بہت سارے سازو سامان اپنے ساتھ لے گئے تھے۔اس کے علاوہ راجہ لداخ کی طرف سے مقررہ کھرپون کو بھی یرغمال بنا کر استور لے گئے۔بقول مصنف مذکورہ کے، تین دن بعد کھرپون آزاد ہو کر واپس دراس پہنچا۔

ایک عورت کی داستان عشق

مولائی مومناچْی وہ
اڈو کوجے گئے ٹیم لائی جا

اڈو کوجْ اچھاراوتو
دیوان خانے گیے ٹیم لائی جا

وہ دیوان خان اچھاراوتو
چانگارے جا گئے ٹیم لائی جا

وہ چانگارا اچھاراوتو
ہوکوراٹے گئے ٹیم لائی جا

وہ ہوکوراٹ اچھاراوتو
بیزراٹے گئے ٹیم جا

وہ بیزراٹ اچھاراوتو
تیسراٹے گئے ٹیم لائی جا

وہ تیسراٹ اچھاراوتو
لالا سے جا گئے ٹیم لائی جا

وہ لاسے رے بو جاتیک
تھوتو جک گمتا گالے لائی جا

وہ لاسوما نیلےتو
میو ہیو یرِ پھیرین خدائی ۔

وہ چولوڑے موسو دیمیس تو
بڑ و موے جودور بولونی

وہ چلوڑے موسو دیمیس تو
خدائی جودور بولونی ۔

وہ شیو دونوتو
تیسراٹ گئے ووی بولوش تھن ۔

وہ احمدی کھینگی جاتو

وہ احمدی کھیڑگی جاتو
تیچھالی مانیک لئی ڈبا

وہ شیو دونی کھیڑگی جاتو
دودھ پوڑی مو چائی موئی لئی ڈبا

وہ احمدے چامو ٹےتو
سالستال گا چامو ٹےلئی ڈبا

وہ شیو دونے چامو ٹےتو
کھر کا شے لامو ٹےلئی ڈبا

وہ احمدو کو جے جا
لالاسو تو مانیلے لائی ڈبا

وہ شیو دونو کو جے جا
شنٹی شیو کولوٹے لئی ڈبا
وہ احمد پھشش باڑ یک بیڑتو
پیزاروجا ووی مُو ءسو بیم۔

ترجمہ:۔

میں عورت مہمان کی طرح ہوں۔میں گھر میں جا کر بیٹھ جاوں گی۔

گھر اگر سونا لگےتو میں دیوان خان میں بیٹھ جاوں گی۔

دیوان خان اگر سونا لگےتو باہر گلی میں بیٹھوں گی جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں

اگر گلی سونی لگےتو ہوکورات میں جابیٹھوں گی۔

اگر ہوکورات سونا لگےتو میں بیز رات میں جابیٹھوں گی۔

اگر بیزرات بھی سونا لگےتو تیسرات میں جابیٹھوں گی

اگر تیسرات بھی سونا لگےتو لاسا میں جابیٹھوں گی۔(جہاں اس کا عاشق رہتا ہے)

اے خدا مجھے لاسے کے گھی کے گولے یاد آرہے ہیں۔

اگر میں جھوٹ بولوں تو بڑے مامے سے جُدا ہو جاوں۔

اگر میں جھوٹ بولوں تو خدا تعالیٰ سے دور ہو جاوں۔

یہ اندھا بیل تیسرات جا کر دریابُرد ہو جائے۔

احمد کے پہلو میں ایک بدصورت بھوتنی ہے۔

اندھے بیل کے پہلو میں چودھویں کا چاند ہوں

احمد کی پگھڑی کا تاج شاہی تاج کی مانند ہے۔

اندھے بیل کی پگھڑی کا تاج کھش کاش کی دُم جیسا ہے۔

احمد کے گھر میں تو گھی کے بڑے بڑے گولے ہیں۔

اندھے بیل کے گھر میں تو پہاڑی سبزی کے گولے ہیں۔

احمد جیسا مرد اگر مجھے ملےتو میں اُس کی جوتیوں میں پانی پی لوں گی۔

چند الفاظ کی تشریح

دیوان خان ۔　　مہمانوں کے بیٹھنے کا مخصوص کمرہ

چنگراہ ۔　　وہ جگہ جہاں گاوں کے لوگ اکثر جمع ہوتے ہیں ۔

ہوکوراٹ ۔　　وہ جگہ جہاں ہوکور نامی درخت اُگتے ہیں ۔

بیزراٹ ۔　　وہ جگہ جہاں بیزر (سید) نامی درخت اُگتے ہیں ۔

تیسراٹ ۔　　پہاڑ کے قریب کسی جگہ کا نام ۔

لاسا ۔　　وہ جگہ جہاں گاوں کے لوگ گرمیوں میں بھیڑ بکریاں لے جاتے ہیں ۔مِرل شیو دونو ۔ اندھا بیل (عورت کا خاوند ۔جسے وہ نفرت کرتی ہے)

گانے کی خصوصیت یہ ہے کہ گانے میں عام فہم لفظوں کا استعمال کیا گیا ہے اور ہر کوئی گانے کو بلا کسی رُکاوٹ کے گا سکتا ہے ۔گانے میں عورت گھر میں تنگ آتی ہے تو دیوان خان میں جاتی ہے ۔لیکن وہاں بھی اُسے چین نہیں آتا ہے وہ باہر گلی میں جاتی ہے جہاں بچے کھیلتے ہیں بوڑھے جمع ہیں ۔عورتیں بھی جمع ہیں ۔لیکن اُسے وہاں بھی چین نہیں آتا ہے ۔پھر وہ ہوکوراٹ پہنچتی ہے ۔جہاں پانی ہے سبزہ ہے ۔قدرت کا انمول حُسن یہاں موجود ہے ۔لیکن اُسے یہاں بھی چین نہیں آتا ہے ۔پھر وہ آہستہ آہستہ بیزراٹ کی طرف بڑھتی ہے ۔جہاں سید کے درخت ہیں ۔پانی ہے ۔سبزہ ہے یہاں گاوں کی حسینائیں موسم کا مزہ لیتی ہیں ساون کے گیت گاتی ہیں ۔لیکن اس عورت کو یہاں بھی چین نہیں آتا ہے ۔اور وہ لاسا کی طرف بڑھتی ہے جہاں اُس کا عاشق بیٹھا ہے ۔گویا وہ آہستہ آہستہ گھر سے نکلتی ہے اور اپنے معشوق کے ٹھکانے کی طرف چلی جاتی ہے ۔اور معشوق کی گلی میں اُسے ہر طرح کا آرام ملتا ہے ۔وہ اپنے شوہر کو اندھے بیل سے تعبیر کرتی ہے اور اُسے دریا بُرد ہونے کی بد دُعا دیتی ہے ۔اُسے عاشق کی بیوی ایک بدصورت بھوتنی جیسی لگتی ہے جبکہ اپنی صورت چودھویں کا کھلتا ہوا چاند جیسی لگتی ہے ۔اُسے عاشق کے گھر میں گھی کے کولے نظر

آتے ہیں جبکہ اپنے گھر میں جہاں اُس کی شادی ہوئی ہے وہاں کڑوی سبزی کے کولے نظر آتے ہیں۔اُسے اپنے شوہر کی پگھڑی سے بھی نفرت ہے۔جبکہ معشوق کی پگھڑی شاہی پگھڑی لگتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ پُرانے زمانے میں اس عورت کی عشق کی داستان پورے علاقے میں پھیل گئی جس کی وجہ سے اس کا شوہر بہت تنگ آگیا۔ایک دن موقع پا کر اس شخص جس کو اندھے بیل سے تعبیر کی گئی ہے اُس نے اپنی بیوی اور اُس کے عاشق دونوں کو ٹھکانے لگا دیا۔جس کے بعد حکومت وقت نے اُسے قتل کے کیس میں گرفتار کر دیا۔لیکن عدالت پہنچ کر اُس نے جج کے سامنے اپنی بیوی کی بد چلنی کا قصہ سُنایا اور یہ گانا گایا اس کے بعد حکومت وقت نے اُس کے اس قدم کو جائز سمجھا اور اُسے باعزت بری کر دیا۔

یہ عورت تو مر گئی لیکن اُس کا گایا ہوا گانا ہمیشہ کے لیے امر ہوا۔وراحمد نامی شخص کا نام تا حال زندہ ہے۔

شاہ مُراد

شاہ مُراد کا نام دراس میں بڑے عزت اور احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ شاہ مُراد اسکردو میں کسی لڑائی میں ہار گیا اور اپنی جان بچا کر دراس پہنچا۔یہاں کے لوگوں نے شاہ مُراد کو بڑے عزت و احترام کے ساتھ پناہ دی شاہ مُراد نے یہاں ایک مختصر مدت کے لیے رہائش اختیار کی اس دوران اُنھوں نے یغم نامی پہاڑ سے مُراد باغ کے لیے آبپاشی نہر تعمیر کی اور ایک گاوں آباد کیا۔جس کا نام شاہ مُراد کے نام پر مُراد باغ رکھا گیا۔یہ گاوں آج بھی آباد ہے۔مقامی روایات کے مطابق شاہ مُراد نے ایک پہاڑی بکرے کے سینگ سے زمین کو کھودنا شروع کیا اور ایک چھوٹی سی نہر یغم سے مُراد باغ پہنچائی جب یہ نہر مُراد باغ تک مکمل ہوئی تو اُنھوں نے اوپر سے پانی چھوڑ دیا کیونکہ نہر ڈھلوان سے نیچے جارہی تھی اس لیے پانی کے بہاو نے نہر کے اطراف کو کاٹ دیا۔اور چھوٹی سی نہر چوڑی ہوگئی۔جب پانی مُراد باغ پہنچ گیا تو ہولیال کا ایک آدمی ستولیکر سب سے پہلے شاہ مُراد کے پاس مُبارکبادی دینے پہنچ گیا۔شاہ مُراد یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اُسے بھی اس گاوں میں زمین کا ایک بڑا حصہ عطا کیا۔اس گاوں کو آباد کرنے کے بعد شاہ مُراد براستہ سرینگر دہلی روانا ہوا۔شاہ مُراد کے دراس ہجرت کا واقع یہاں کی روایات میں موجود ہے۔لیکن کسی مورخ نے اس واقع کو بیان نہیں کیا ہے۔

اس واقع کے پس منظر میں ایک گیت پُرانے زمانے سے گایا جاتا ہے۔جو شاہ مُراد کے گانے کے نام سے منسوب ہے۔پہلے زمانے میں جب کوئی بارات اس گاوں سے گزرتی تو گاوں کے لوگ بارات کو روک لیتے اور شاہ مُراد کا گانا گانے کی فرمائش کرتے تھے۔

☆☆☆☆

شاہ مُرادکا گانا

ایلا ماپون شیر شاہ گاواتو لا شاہ مُراد۔
مونٛو جا گی تا جیسو خدائی شیلون۔

ایلہ ماپون شیر شاہ گاواتو لہ شاہ مُراد۔
جٛے سوتو کھشکر گاڈنگیونی لہ جٛونگی جا

مونٛو جا گی تا جیسو خدائی شیلون۔
ایلا ماپون شیر شاہ گاواتو لہ شاہ مُراد۔

جٛیسوتو پاشٛو گاڈانگیونی لہ جٛونگی جا۔
مونٛو جا گی تا جیسو خدائی شیلون۔

ایلہ ماپون شیر شاہ گاواتو لہ شاہ مُراد۔
جٛیسوتو ہت گاجٛینگیونی لاجٛونگی جا۔

مونؤ جا گی تا بیسو خدائی شیلون ۔
کوریار گابونی وہ سینگا لوائیل ۔

ایلے رے گنڈی مو دو لیم وولا وہ جالا روئی
کوریار گابونی وہ سینگا لوائیل ۔

ایلے رے پش مو دو لیم وولا وہ جالا روئی
کوریار گابونی وہ سینگا لوائیل ۔

ایلے رے بٹ مو دو لیم وولا وہ جالا روئی
کوریار گابونی وہ سینگا لوائیل ۔

ایلے رے بیّس مو دو لیم وولا وہ جالا روئی
کوریار گابونی وہ سینگا لوائیل ۔

ترجمہ:۔

یہ ماپون شیر شاہ آ گیا اے شاہ مُراد۔

کندھوں میں اُٹھا کر ہم خدا کا شکر ادا کرلیں گے

یہ ماپون شیر شاہ آ گیا اے شاہ مُراد۔

اس کی تلوار زمانے میں اونچی ہو۔

کندھوں میں اُٹھا کر ہم خدا کا شکر ادا کرلیں گے

یہ ماپون شیر شاہ آ گیا اے شاہ مُراد ۔

اس کی پگھڑی زمانے میں اونچی ہو۔

کندھوں میں اُٹھا کر ہم خدا کا شکر ادا کرلیں گے

یہ ماپون شیر شاہ آ گیا اے شاہ مُراد ۔

اس کا ہاتھ زمانے میں لمبے ہوں یعنی امیر ہو۔

کندھوں میں اُٹھا کر ہم خدا کا شکر ادا کرلیں گے

ے ریتلی نہر پختہ ہو۔اس نہر کے لیے میں گھاس والی سخت مٹی بن جاوں گا۔

اے ریتلی نہر پختہ ہو۔اس نہر کے لیے میں پتھر کی دیوار بن جاوں گا۔

اے ریتلی نہر پختہ ہو۔اس نہر کے لیے میں اونچا درخت بن جاوں گا۔

نہر کے کنارے جب گھاس پیدا ہوتی ہے یا درختیں اُگتی ہیں تو نہر کی مٹی سخت ہو جاتی ہے ۔اسی طرح جہاں چٹان ہوتی ہے وہاں نیچے سے پتھروں کی دیوار بنائی جاتی ہے ۔جسے شینا زبان میں پش کہا جاتا ہے ۔

اس گانے میں شاہ مُراد کی کامیابی کے لیے دُعا دی گئی ہے ۔گانے میں تعریف کے پُل باندھے گئے ہیں ۔اور دُعایا کلمات کثرت سے استعمال کئے گئے ہیں ۔جیسے پگھڑی اونچی ہو۔تلوار ہونچی ہو۔ہاتھ لمبے ہوں ۔جن کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ ہمیشہ کامران اور کامیاب رہے اور دُنیا میں اسی کا ہی بول بولا ہو۔ اور ساتھ میں نہر کی پختگی کے لیے بھی

کام کرنے کا عہد کا بھی اظہار کیا جا رہا ہے۔

اس گانے میں شیر شاہ کا ذکر ہے شیر شاہ نے دراس میں حملہ کیا تھا جس کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے لیکن شاہ مُراد کا دراس میں آنے کا ذکر کہیں نہیں ملتا گانے کے مفہوم سے پتا چلتا ہے کہ گانا شیر شاہ کے آنے کی طرف اشارہ کرتا ہے اور شاہ مُراد اس گیت کا شاعر ہے۔مثلاً مقپون شیر شاہ آرہا ہے اے شاہ مُراد۔اس فقرے سے شیر شاہ کے آنے کا تذکرہ ہے نہ کہ شاہ مُراد کا۔اور تاریخ سے بھی پتا چلتا ہے کہ شیر شاہ مقپون دراس وارد ہوا ہے۔اس لئے ممکن ہے کہ مقامی روایات میں شیر شاہ اور شاہ مُراد میں مغالطہ ہوا ہو۔

باب ہفتم

چند پُرانے عقائد

پُرانے زمانے کے شین درددں میں مختلف قسم کے عقائد پائے جاتے تھے ۔جو کم وبیش آج تک رائج ہیں ۔سبدک کے نام کھانا لینا یا اُسے اپنا قریبی محافظ سمجھنے کا عقیدہ آج تک زندہ ہے۔نونگ کو ایک مقدس ہستی سمجھنے کا عقیدہ بھی آج تک زندہ ہے۔لیکن یہ عقائد صرف رسم ورواج کی حد تک زندہ ہیں انہیں کوئی مذہبی حثیت حاصل نہیں ہے۔اور آج کل لوگ ان قسم کے رواج کو انسان کے زہن کی پیداوار سمجھتے ہیں اور اسے ایک وہم سے تعبیر کرتے ہیں ۔ ایسے ہی چند عقائد پر اس باب میں ہم بحث کریں گے ۔

تخلیق کائینات کا عقیدہ

کائینات کے متعلق یہاں دو عقائد پائے جاتے تھے ایک یہ کہ دُنیا مچھلی کی پیٹھ پر کھڑی ہے۔دوسرا عقیدہ یہ کہ کائنات بیل کے سینگ میں قائم ہے۔لیکن ان عقائد کا کوئی واضح بیان یہاں کے گیتوں میں نہیں ملتا تھا۔

تخلیق کائینات سے متعلق عبدُ الحمید خاور نے اپنی کتاب تاریخ اقوام دردستان وبلورستان میں ایک قدیم شینا گیت کے حوالے سے لکھا ہے اس کہانی کو قارین کی دلچسپی کے لیے لکھ دیا جاتا ہے ۔تا کہ تخلیق کائنات سے متعلق قدیم شینیوں کا کیا عقیدہ

تھا وہ واضع ہو جائے ۔تاریخ اقوام دردستان وبلورستان کے مصنف اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 305 میں رقم طراز ہیں

''ابتدائے آفرینش سے دُنیا پانی کا ایک سمندر تھا۔اس سُونی سرپالوک یعنی انسانوں کی دُنیا کی تعمیر کے لیے خدا کے 'کومی' کو حکم ہوا۔''شرمل'' کے گلیشر میں بوجاری شانل (بھیڑیا) نے دُنیا کی روزی کو اُس کے پاس بھیجا اور اُس کو اپنے پاس طلب کیا۔بوجاری شانل نے پوچھا میں تجھ پر واری اور صدقے مجھے بتاو تم کون ہو؟ دُنیا کی روزی نے جواب دیا میں دُنیا کی روزی ہوں ۔تجھے خدا کی 'کومی' نے طلب فرمایا ہے۔بوجاری شانل نے جواب دیا اے روزی تو اچھے بُرے لکڑی پتھر اور غلیظ چیز کے ساتھ بھی ہے میں تیرے ساتھ نہیں آوں گی ۔

دُنیا کی روزی واپس چلی گئی پھر خدا کی ' کومی' نے یقین کو مامور کیا جس وقت یقین یعنی اعتبار بوجاری شائل کے پاس گیا تو بوجاری شائل نے پھر دریافت کیا کہ تم کون ہو تو یقین نے جواب دیا کہ میں یقین ہوں تب بوجاری نے کہا یقین کے ساتھ موت ہے ۔اس لیے میں تمہارے ساتھ آوں گی ۔ یہ کہہ کر بوجاری شائل خدا کے کومی کے پاس چلی گئی اورعرض کیا کہ اے خدا کی ''کومی'' تونے اس ناچیز کو کیوں طلب فرمایا ہے ۔خدا کی کومی نے جواب دیا میں نے تمہیں تعمیر دُنیا کے لیے بُلایا ہے تو کوئی کرشمہ بتا جس سے دُنیا کی تعمیر ہو جائے ۔تو بُجاری شائل نے جواب میں عرض کیا اے خدا کی کومی دُنیا اتھا سمندر ہے ۔کونا ناگ یعنی سانپ سے اس سمندر کے گرد حلقہ ڈال دو ۔''رشی دن نچ'' سے ستون کھڑا کردو۔اور بروننگ کھپر بیل کے سینگ کےاوپر رکھو۔سمندر سے مٹی نکالنے کے لیے چیونٹیوں کو حکم دو ۔جب مٹی تقسیم ہوگئی تو دیو اور نچ اکے مخالف ہو گئے ۔

نچ ''لوبل سنگھ'' اور''یم لوشور'' نے دُنیا کی تعمیر ہونے نہ دیا ۔تب خدا کی کومی نے شرمل گلیشر سے ''چھرکھن راچو'' کو طلب کیا۔''چھرکھن راچو'' حاضر ہوا تو خدا کی کومی نے حکم دیا کہ ان باغی مخلوق دیو اور نچ کا مقابلہ کرو اور دُنیا کی تعمیر کرنے میں مدد کرو ۔چھرکھن راچو نے عرض کیا کہ میں اکیلا صرف ایک طرف دیکھ سکتا ہوں ۔یعنی سامنے کی طرف سے صرف غنیم کا مقابلہ کرسکوں گا ۔اگر پیچھے سے حملہ ہوا تو میں کس طرح دیکھ سکتا ہوں ۔خدا کی کومی نے اس بات کو درست تسلیم کیا۔اور چھرکھن راچھو کے سر کے پیچھے دو آنکھیں بنا دیا۔تب چھرکھن راچھو نے دیوں اور نچوں کا خوب مقابلہ کیا ۔اور سب کو مغلوب کیا ۔تب دُنیا کی تعمیر میں کوئی رکاوٹ نہ ہوئی ۔بنی آدم اور دیووں کو ایک جگہ فساد کے اندیشے سے نہ رکھا۔انسان کے لیے سر پا لوک اور دیووں کے لیے دیوالوک بنایا۔ یہ چار آنکھوں والا راچھو ہمیشہ موجود ہے ۔اور بڑے لوگوں کی سرپرستی اور امداد کرتا رہتا ہے ۔ پہلے زمانے میں یہ دستور تھا کہ ہر رئیس، راجہ اور وزیر اس راچھو کے نام پر قربانی کرتے تھے''

مصنف کے مطابق یہ عقیدہ ایک پُرانے گانے میں بیان کیا گیا ہے جو استوری شینا میں ہے ۔

تخلیق کائینات سے متعلق دردوں کا عقیدہ بحوالہ اے ایچ فرینکی

اے ایچ فرینکی نے اپنی کتاب اے ہسٹری آف لداخ میں قدیم دردوں کا تخلیق کائنات کے عقیدے کے حوالے سے ایک پُرانے دردگیت کا ترجمہ رقم کیا ہے۔ جو کچھ یوں ہے۔

How did the earth first grow?
At first the earth grew on a lake.
What grew on the water?
On the water grew a meadow.
What grew on the meadow?
Three hills grew there.
What are the names of the three hills?
The name of one hill is the white jewel hill.
What is the name of the another hill?
The name of the another hill is the red jewel hill.
What is the name of the one remaining Hill?
The name of the one remaining hill is the blue jewel hill.
What grew on the three hills?
Three trees grew there.
What are the names of the three trees?
The name of the one tree is white sandal tree.
The name of another is the blue sandel tree.
The name of the one remaining tree is the Red sendal tree.
Whar birds grew on the three trees?
Three birds grew on the three trees?
What is the name of one bird?
The name of one bird is wild eagle.
What is the name of another bird?
The name of another bird is barndoor hen.
What is the name of the one remaining bird?
The name of one remaining bird is black bird

ان دونوں گیتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شین دردوں کا عقیدہ تھا کہ دُنیا سمندر پہ قائم ہوئی ۔سمندر سوکھ گیا اور خشکی نکل آئی اس خشکی میں سب سے پہلے پیڑ پودے اُگنے لگے ۔یہ عقیدہ آج کے سائنسی دور کے عقیدے سے تقریباً ملتا جُلتا ہے ۔

نونگ کے بارے میں لوگوں کا عقیدہ

نونگ بھی ایک متبرک ہستی مانی جاتی تھی ۔اس کے بارے میں لوگوں کا عقیدہ تھا کہ اگر نونگ سے منسوب جگہ یا پتھر کے اردگرد گندگی پھیلانے سے نونگ ناراض ہوجاتا ہے جس سے اُس گندگی پھیلانے والے کو طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں ۔اسی طرح نونگ کے نام کئی خاندان سال میں ایک دفعہ بھیڑ کاٹتے تھے ۔اس بھیڑ کا گوشت صرف اُسی خاندان کے لوگ کھاتے تھے دوسرے لوگوں کو اس کے کھانے کی اجازت نہیں تھی ۔

دو قدیم دیوتا جنہیں دردلوگ طاقت کے دیوتا مانتے تھے قدیم درد جہاں بہت سارے دیوی دیوتاوں کو مانتے تھے لیکن ان کی پوجا کم ہی جاتی تھی ۔اسی طرح کے دو دیوتا تھے جنہیں طاقت کے دیوتا مانے جاتے تھے ۔ان کے نام تھے ہوپ اور ہس سائی ۔ان دونوں دیوتاوں کو سماج میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا ۔اور جب کبھی بھی ایسا کوئی کام شروع کیا جاتا جس میں طاقت زیادہ لگے تو ہوپ اور ہس سائی کا نام ضرور لیا جاتا تھا ۔یہ رواج بہت دیر تک چلی ۔ اور ہوپ اور ہس سائی کا نام لوگوں کے اذہان میں اس قدر بس گیا کہ آج بھی لوگ جب اُٹھنا چاہتے ہیں تو ہوپ او ہس سائی کا نام ضرور لیتے ہیں ۔لیکن اُنہیں معلوم نہیں کہ یہ ہوپ اور ہس سائی کا نام لینے کے پیچھے کیا فلسفہ ہے ۔ جیسے کہ جب کوئی شخص تھک جاتا ہے اور تھوڑی دیر آرام کے لیے بیٹھ جاتا ہے ۔اس کے بعد جب اُٹھتا ہے تو سانس کھینچ کر کہتا ہے ''ہوپ بلی ہسسائی'' یعنی وہ طاقت کے دیوتا ہوپ اور ہسسائی کا نام غیر شعوری طور لیتا ہے ۔یہ اصل میں اُس مذہب کی یادگار ہے جو کروڑوں سال اس قوم سے وابسطہ رہا ہے ۔ہوپ اور ہسسائی کو دراس کے درد ہی نہیں مانتے تھے بلکہ گلگت کے درد بھی مانتے تھے اور گلگت میں بھی آج ان دو دیوتاوں کا نام غیر شعوری طور لیا جاتا ہے ۔

دراس میں موجود چند پہاڑیوں کے نام جنہیں زمانے قدیم میں متبرک مانا جاتا تھا۔

بریڑل کھن:۔ درہ بریڑل۔

یہ درہ کرکت میں موجود ہے اور یہاں سے بریڑل جاتے تھے جواب پاکستان میں واقع ہے۔

کھربوترائے:۔ کھربو کی کھڑکیاں

یہ دو کھڑکی نما پہاڑیاں ہیں جہاں سورج غروب ہوتے وقت ان کھڑکی نما پہاڑوں سے گذر کے ایک حسین نظارہ پیش کرتا ہے۔

شمچاہ شے:۔ شمشاہ کی سفید پہاڑیاں

یہ سفید پہاڑیاں شمچاہ گاؤں میں موجود ہیں۔

جسگند دیواور نرن:۔ جسگند کی دو پہاڑیاں

دیواور نرن نامی دو پہاڑیاں جسگند میں واقع ہیں۔ایک دریا کے پار جسے دیو کہتے ہیں اور جو دوسری جانب ہے اُسے نرن کہتے ہیں۔پُرانے زمانے میں ان دونوں میں موجود محافظ دیواور نارائن کو راضی کرنے کے لیے ایک بڑا میلہ لگتا تھا۔اُس میں تقریباً تمام علاقے دراس سے لوگ جمع ہوتے تھے اور کئی دنوں تک ناچ گانے وغیرہ کا پروگرام منعقد کیا جاتا تھا۔جس میں مقامی موسیقار خصوصی طور حصہ لیتے تھے۔

دیو:۔ ہندی لفظ دیوتا۔

نرن:۔ سنسکرت لفظ نارائین

اوگوم چن:۔ لموچن کا ایک پہاڑ

یہ ایک پہاڑ ہے جو گڈھے نما ہے۔شینا زبان میں اوپر کے کمرے سے نیچے کے کمرے میں اُترنے کے لیے چھت سے ایک راستہ ہوتا تھا۔جہاں سیڑھی بنائی جاتی تھی۔اس راستہ کو اوگوم کہا جاتا تھا۔

سری چن:۔ گوشن کا ایک پہاڑ

سر شینا زبان میں سمندر یا بڑی سی جھیل کو کہا جاتا ہے لفظ 'سری' سر کی جمع ہے ۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہاں کسی زمانے میں چھوٹی چھوٹی جھیلیں تھیں ۔

براچن:۔ مُشکوہ کا ایک پہاڑ

یہ نام برک چن سے نکلا ہے ۔جس کے معنی ہوتے ہیں آواز پہاڑ سے ٹکرا کے واپس آنا ۔

مشکوہ دراس کا ایک دور دراز گاوں ہے ۔یہ علاقہ بارڈر کے نزدیک ہے ۔یہاں ایک پہاڑ پر ایک سفیدہ کا درخت ہے ۔اس درخت کا مقامی نام براچن ہے ۔اس درخت کے بارے میں پُرانے زمانے کے لوگوں کا عقیدہ تھا کہ جب بھی مشکوہ گاوں کو کوئی مصیبت آنے والی ہوتی تو اس درخت سے رونے کی آوازیں آتی تھیں ۔اگر گاوں میں کوئی خوشی آنے والی ہوتی تو اس درخت سے گانے کی آواز آتی تھی ۔براچن کا نام پُرانے گیتوں میں ملتا ہے ۔

گُھیار:۔ پاندراس میں موجود ایک پہاڑ

اس نام کے دو معنی ہو سکتے ہیں ۔ایک یہ کہ 'گوٹ تھر' جس کے معنی سیدھی دیوار کے ہوتے ہیں ۔یعنی یہ پہاڑ سیدھی دیوار کی طرح ہے جو بعد میں بگھڑ کر کوٹھیار بن گیا ہو ۔دوسرے معنی 'گوٹوسر' کے ہو سکتے ہیں جس کے معنی ہیں کونگا سمندر یا گھونگھی جھیل ۔جس طرح اسی پہاڑ کے اس پار ایک چھوٹی سی جھیل ہے جسے 'شیو سر'' یعنی اندھا سمندر کہتے ہیں ۔کیونکہ یہ جھیل راستے سے زرا ہٹ کر ہے اور کسی کو نظر نہیں آتی ۔اسی قسم کی ایک جھیل اُس پار رہی ہو جو بعد میں مٹی کے کٹاو سے بند ہوئی ہو اور اس 'گوٹوسر بگھڑ کر گُھیار بن گیا ہو ۔اس پہاڑ کے نام پہ مارچ کے مہینے میں ایک بھیڑ کی قربانی دی جاتی تھی ۔جس سے موسم خوشحال ہو جاتا تھا ۔اس پہاڑی کے اوپر ایک مکان نما پہاڑی نظر آتی ہے ۔

گاوں کے نام اور اُن کی وجہ تسمیہ

چھانی گن:۔

یہ لفظ دو شینا الفاظ سے مل کر بنا ہے۔یعنی' چھاش اور کونْ '۔جس کے معنی کانٹے دار جھاڑیاں نکلتے ہیں ۔رفتہ رفتہ یہی چھاش کونْ بگڑ کر چھانی گنْ بن گیا۔یہاں آج بھی کانٹے دار جھاڑیاں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ماضی میں اس گاوں کا نام چھلیس کمبوتھا۔بزرگوں کے مطابق چھانی گنْ نام ہندوستانی افواج کا دیا ہوا نام ہے۔

کاکسر:۔

اصلی نام کاسر ہے جو آج بھی یہاں کے شین دردوں میں رائج ہے۔' کا 'شینا زبان میں کوئے کو کہتے ہیں اور سر کے معنی سمندر ہوتے ہیں جس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ سمندر جہاں کوئے زیادہ آتے ہوں ۔ممکن ہے پُرانے زمانے میں یہاں کوئی سمندر نما جھیل رہی ہو۔

کھربو:۔

کھربو نام 'کھرے بوُ' سے نکلا ہے۔جس کے معنی ہوتے ہیں دور والی غار۔جو بعد میں بگھڑ کر کھربو بن گیا۔پُرانے زمانے میں لوگ سفر کرتے تھے اوران غاروں میں قیام کرتے تھے۔بعد میں اسی جگہ گاوں بسا تو کھربو کے نام سے جانا جانے لگا۔

شمشاہ

اس گاوں کا اصلی نام شم چاہے جو آج بھی رائج ہے۔یہ لفظ شینا لفظ شم چا سے نکلا ہے۔جس کے معنی چائے والی بُوٹی کے نکلتے ہیں ۔لگتا ہے پُرانے زمانے میں یہاں کوئی لکڑی یا بُوٹی تھی جو بطور چائے استعمال کی جاتی تھی۔

کھیمبر:۔

یہ لفظ شینا 'کھیب ویرْ' سے نکلا ہے۔جس کے معنی ہوتے ہیں محصول ادا کرنے کی جگہ۔ممکن ہے یہاں کسی زمانے

میں کسی راجہ کی چوکی رہی ہو جہاں مسافروں سے محصول یا انٹری فیس حاصل کی جاتی ہو۔

تھسگام:۔

یہ نام داس گام سے نکلا ہے۔جس کے معنی ہیں میدان میں آباد گاوں۔

جسکند:۔

یہ نام چھاش کونٔ سے نکلا ہے۔جس کے معنی ہیں کانٹے دار جھاڑیاں۔جو بعد میں بگھڑ کر جسکند 'بن گیا۔یہاں کانٹے دار جھاڑیاں آج بھی کثرت سے پائی جاتی ہیں

دنل:۔

یہ لفظ شینا لفظ 'دنٔ' سے نکلا ہے جو بعد میں بگھڑ کر دنل بن گیا۔دنٔ شینا زبان میں چھلنی کو کہتے ہیں ۔اس گاوں کی مٹی میں پتھر بالکل نہیں پائے جاتے اور ایسا لگتا ہے کہ کسی نے مٹی چھان کر یہاں ڈالی ہو۔[

تھرونگس

یہ لفظ 'تھروموس' سے نکلا ہے جو شینا زبان میں کھود کے کھیت بنانے کو کہتے ہیں ۔پُرانے زمانے میں اس طرح کا رواج عام تھا ۔اور یہ نئی بستی معلوم ہوتی ہے ۔جو بعد میں بگھڑ کر تھرونگس بن گئی۔

بھیمبٹ:۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ بھی شینا زبان کا ہے۔جو 'بین بٹ' سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں بیٹھنے کا پتھر۔یعنی مسافر یہاں آرام کی خاطر کسی پتھر کے اوپر بیٹھ جاتے تھے۔کچھ لوگ اس گاوں کی وجہ تسمیہ یوں بتاتے ہیں کہ یہاں بھیم نامی ایک شخص انسان سے پتھر بن گیا اور اسی کے نام سے اس کا نام بھیمبٹ یعنی بھیم کا پتھر پڑھ گیا۔

لموچن

یہ لفظ لمئی چن سے نکلا ہے۔لمئی شینا زبان میں ایک گھاس کا نام ہے۔جو لال رنگ کا ہوتا ہے۔اسکا مطلب لمئی گھاس والی زمین کے ہوتے ہیں۔

گوڈومیل

کہاجاتا ہے کہ گڈومیل نامی گاوں پہلے زمانے میں کول ڈوم پانامی شخص نے آباد کیا تھا۔بعد میں یہ گاوں سیلاب سے تباہ ہوگیا۔یہ گاوں تلولینگ کے دامن میں واقع تھا۔اب اس گاوں کے آثار بھی نہیں ہیں۔شینا زبان میں 'کوڈوموُ' اُس زمین کو کہتے ہیں جو گہرائی پہ واقع ہو۔لگتا ہے کہ یہ گاوں بھی کسی گہرائی میں واقع تھا۔

رنبیر پورہ:۔

یہ گاوں ڈوگرہ حکومت کے دوران رنبیر سنگھ نے آباد کیا تھا۔اس لیے اس گاوں کا نام رنبیر پورہ پڑھ گیا۔

گوشن:۔

یہ نام شینا لفظ 'گاووچھن' سے نکلا ہے۔جس کے معنی ہیں ندی کے پہلو میں آباد گاوں۔جو بعد میں بگھڑ کر گوشن بن گیا۔یہاں ایک بڑی ندی موجود ہے جو تلولینگ سے بہتی ہے اور دراس کے بہت سارے دیہات کو آباد کرتی ہے۔

ترنگ کوچے (ترونگچن):۔

ترنگ کوچے دراس کا ایک پُرانا گاوں ہے۔اور شاہراہ سے تھوڑی ہی دور آباد ہے۔لگتا ہے یہ نام دو شینا الفاظ 'ترنگھے' اور 'کوچے' سے مل کر بنا ہے۔اگر ان دونوں الفاظ کو ملائیں تو 'ترنگھے کوچے' بنتا ہے جس کے معنی ہیں۔وزیر کے گاوں والے۔لگتا ہے کسی زمانے میں کسی وزیر نے اپنے چند گاوں والوں کو اس جگہ آباد کیا ہو۔جو بعد میں بگڑ کر 'ترونگ کوچے' بن گیا اور مقامی لوگ آج بھی اسی نام سے جانتے ہیں۔لیکن سرکاری کاغذات میں اس کا نام ترونگچن درج کیا گیا ہے۔

مشکے:۔

یہ لفظ شینا زبان کے لفظ 'موسیوکوئی' سے نکلا ہے۔جس کے معنی ہوتے ہیں سیلاب آنے کی جگہ۔یہاں کھڑی پہاڑی موجود ہے جہاں سے آج بھی اکثر وبیشتر سیلاب کا خدشہ لاحق رہتا ہے۔

پرانس (پاندراس)

یہ لفظ شینا زبان کے لفظ 'پروٹُو داس' سے نکلا ہے۔جس کے معنی پُرانے میدان کے نکلتے ہیں۔ جو بگھڑ کر پرانْس بن گیا۔ یا یہ لفظ پائیون داس سے نکلا ہے۔جس کے معنی پہاڑ کے دامن میں موجود میدان ہوتے ہیں۔جو شینا لفظ ہے۔جو بعد میں بگھڑ کر پاندراس بن گیا۔مقامی لوگ اس گاوں کو آج بھی پرانْس کہتے ہیں۔اس لئے پہلی روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔

اموخی (مٹائن)

یہ لفظ شینا زبان کے لفظ 'آموخ' سے نکلا ہیں۔جس کے معنی ہوتے ہیں وہ ٹھنٹ۔یہاں سے مسافروں کی آمد ورفت زیادہ رہتی تھی اس لیے ممکن ہے کہ یہاں موجود درختوں کو کاٹ کر صرف تنے بچے ہوں جنہیں شینا زبان میں موخ کہتے ہیں۔اس لئے اس گاوں کو مقامی زبان میں آج بھی 'آموخی' کہتے ہیں۔یہاں پہاڑی درختیں آج بھی موجود ہیں۔

ہولیال:۔

شینا زبان میں بستی کو 'یال' کہتے ہیں۔ہولو کسی شخص کا نام معلوم ہوتا ہے۔اس طرح نام ہولویال سے نکلا ہے جس کے معنی ہولو کی بسائی ہوئی بستی معلوم ہوتا ہے۔

سکوٹیال

لگتا ہے یہ گاوں سکوٹ نامی کسی شخص نے بسایا ہے اسی لئے اس کا نام سکوٹ یال پڑھ گیا جو بعد میں سکوٹیال کہہ لایا
۔

گنیال

یہ گاوں 'گنڈی یال' سے نکلا ہے۔'گنڈی' شینا زبان میں پانی والی گھاس کو کاٹ کرلانے والے حصے کو کہتے ہیں۔دراس میں کچھ قدرتی پارکیں موجود تھیں۔ان پارکوں کو شینا زبان میں 'جل' کہتے ہیں۔پُرانے زمانے میں اس پارک کو کاٹ کر سکھایا جاتا تھا اور سوکھ جانے کے بعد اس کو جلانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔اس قسم کی گھاس والی مٹی کو جو جلانے کے کام آتی تھی گنڈی کہا جاتا تھا۔گنیال اسی سے منصوب ہوسکتا ہے۔

مسکیال:۔

یہ لفظ مائسک سے نکلا ہے۔یہ کسی عورت کا نام معلوم ہوتا ہے۔پُرانے زمانے میں عورتوں کے نام مائسک رکھا جاتا تھا۔اس لئے شائد یہ محلّہ کسی لڑکی نے آباد کیا ہو۔

گروٹیال:۔

اس لفظ کو اگر ہم الگ الگ کریں تو گروٹ اور یال دو لفظوں سے مل کر بنا ہے۔جس کے معنی ہیں گروٹ کی بستی۔لگتا ہی یہ بھی کسی شخص کا نام ہے۔

یہاں قدیم زمانے سے ایک روایت چلی آرہی ہے کہ دراس جسے گڈ ومیل کہتے ہیں۔کول ڈوم پا نامی شخص نے آباد کیا تھا۔جو شری مون چوٹو کے ساتھ گلگت سے چلا آیا تھا۔اس کے بعد کول ڈوم پا کی اولاد نے بہت سارے دیہات بسائے۔اور جن گاوں کے آگے لفظ 'یال' آتا ہے اُنہی کے بسائے ہوئے گاوں ہیں۔جیسے ہولیال، گروٹیال، گنیال، مسکیال، گُنیال وغیرہ

دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ گُروٹی شینا زبان میں کٹی ہوئی کو بھی کہتے ہیں۔اس لیے کروٹیال کے معنی کٹا ہوا گاوں بھی ہوسکتے ہیں۔

کھونہ

اس گاوں کی وجہ تسمیہ معلوم نہ ہوسکی لگتا ہے کہ یہ ایک پُرانا نام ہے۔جہاں جہاں شین دردستیاں ہیں وہاں کھونہ گاوں ضرور موجود ہے۔جس طرح کرکت کا کھونہ گاوں، گُریز کا کھونہ گاوں، دراس کا کھونہ گاوں اسی طرح دردستان میں بھی کھونہ گاوں موجود ہیں۔

دراس میں بلتی یا پُرگی لوگوں کے آباد کردہ گاوں۔

دراس کے بہت سارے دیہات بلتی یا پُرگی لوگوں کے آباد کردہ ہیں جن کے ناموں سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔

ٹیل بو:۔

ٹیل بو کے معنی بلتی زبان میں چھوٹے گاوں نکلتے ہیں۔اس گاوں میں آج بھی بلتی لوگ آباد ہیں۔

دونگ چگ:۔

اس کے معنی بلتی زبان میں ایک گھر کے نکلتے ہیں۔لگتا ہے کہ کسی زمانے میں یہاں ایک ہی گھر آباد تھا۔

مرادباغ:۔

مُرادکا آباد کردہ گاوں۔روایت ہے کہ یہ گاوں شاہ مُرادنے آباد کیا تھا۔اور اُنہی کے نام سے منسوب ہوا۔

چوکیال:۔

روایت ہے کہ یہ نام 'چوکیالسہ' سے نکلا ہے جس کے معنی بلتی زبان میں 'راجہ کو وداع کرنے کی جگہ' نکلتے ہیں۔لگتا ہے کہ یہاں کسی زمانے میں لوگ راجہ کو وداع کرنے
آتے تھے۔

پھلہ:۔

یہ نام بھی بلتیوں یا پُرگیوں کا دیا ہوا نام ہے۔یہ نام دولفظوں سے مل کر بنا ہے۔یعنی 'پھل' اور 'لا' جس کے معنی چوڑھا درہ کے نکلتے ہیں اس جگہ ایک میدان ہے لیکن ساتھ میں چڑھائی بھی ہے جو ایک درہ کی مانند معلوم ہوتی ہے۔پھلہ کا شینا نام 'شائیو داس' تھا۔جو پُرانے گیتوں میں موجود ہے۔شائیو داس کے معنی پہاڑی میدان کے نکلتے ہیں۔یہاں پہلے آبادی نہیں تھی بعد میں لوگ یہاں بس گئے ہیں۔

دَل تھنگ:۔

تھنگ بلتی زبان میں میدان کو کہتے ہیں۔دَل تھنگ کے معنی دَل والا میدان نکلتے ہیں۔اس گاوں کے پار دَل نامی گاوں آباد ہے۔

مشہور درے

مندرجہ ذیل درے زمانے قدیم سے ہی نامور رہے ہیں اوران دروں سے لوگوں کی آمدورفت ہمیشہ سے رہتی تھی۔

زوجیلہ یا زوجی مل شینا نام زوجی کھن

یہاں سے سرینگر آنے جانے کا راستہ موجود تھا۔یہی سے آج نیشنل ہائی وے نمبر ون گزرتی ہے جولداخ کو باقی دُنیا سے ملاتی ہے۔

لابر کھن (لابرلا)

یہ درہ دراس اور سانکو کے درمیان موجود ہے۔یہ اس راستہ کا سب سے اونچا درہ ہے۔یہاں سے پہلے لوگ پیدل چلتے تھے۔آج یہاں سے بطور ٹریکینگ لوگ شوقیہ سفر کرتے ہیں۔

لاسر کھن

یہ درہ جسکند اور سانکو کے درمیان موجود ہے۔اس درہ سے گذرنے کے بعد لوگ سانکو کے فروناعلاقے میں پہنچ جاتے ہیں۔

لولوکھن (مرپولا)

یہ درہ دراس اور گُلتری کے درمیان واقع ہے۔پُرانے زمانے میں یہاں سے پاکستان لوگ جایا کرتے تھے۔اب یہ درہ لائین آف کنٹرول (عارضی سرحد) پہ ہے۔اور یہاں سے آمدورفت بند ہے۔

بریژل کھن

یہ درہ وادی کرکت اور پاکستان کے علاقے بریژل کے درمیان واقع تھا۔پُرانے زمانے میں لوگ اس درہ سے سفر کرتے تھے اور بریژل، میموش، اور کرکتی جایا کرتے تھے اب یہ درہ بھی لائین آف کنٹرول پہ موجود ہے۔

باب ہشتم

کھیل تماشے

کھیل کود اور تماشے دُنیا کی ہر قوم میں پائے جاتے ہیں ۔ دراس کے دردا قوام بھی اس سلسلے میں پیچھے نہیں ہیں ۔ یہاں بہت ساری کھیلیں زمانے قدیم میں رائج تھیں جو بڑے شوق سے کھیلی جاتی تھیں ۔ ان میں کچھ کھیلوں کے لیے میدان کی ضرورت ہوتی تھی لیکن کچھ کھیلیں گھر کے اندر ہی کھیلی جاتی تھیں ۔ اس طرح ان کھیلوں کو ہم انڈور گیمیس اور آوٹ ڈور گیمیس میں تقسیم کر سکتے ہیں

قدیم کھیلوں میں سب سے مشہور اَشپو ٹھوپے (ہارس پولو) تھا ۔ اس کے علاوہ ٹھوپے، (ہاکی) ٹھیلو، (گلی ڈنڈا) ڈِک (شطرنج کی طرح کا ایک کھیل)، علیو کی، ٹھاکورے، ابیروئی، چپائی، پیسے وغیرہ کھیل کھیلے جاتے تھے ۔ ان کھیلوں کے علاوہ جدید انگریزی کھیل جن میں کرکٹ، والی بال، فُٹ بال، کبڑی وغیرہ بھی بڑے شوق سے کھیلے جاتے ہیں ۔

آنشپے ٹھوپے (چوگان بازی، Horse Polo)

پولو کا یہ کھیل زمانے قدیم سے مشہور ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کھیل گلگت اور اسکردو میں بڑے شوق سے کھیلا جاتا ہے ۔ اور لداخ میں یہ کھیل اسکردو کے راجاوں کی وساطت سے پہونچا ۔ دراس کے شین درد لوگ اس کھیل میں ماہر مانے جاتے ہیں اور یہ کھیل یہاں بڑے پیمانے پر آج بھی کھیلا جاتا ہے ۔ اس کھیل میں چھ چھ کھلاڑی ہوتے ہیں ۔ اور دو کھلاڑی ریز رو یعنی علاوہ رکھے جاتے ہیں تا کہ کسی کھلاڑی کے زخمی ہونے کی صورت میں دوسرا کھلاڑی اس کی جگہ لے سکے ۔ کھیل آدھے گھنٹے کا ہوتا ہے جس میں پندرہ منٹ کے بعد دس منٹ کا وقفہ لینا ہوتا ہے ۔ ہاکی مقامی طور پر تیار کیا جاتا ہے گیند بھی مقامی لوگ بناتے ہیں ۔ گیند لکڑی کی بنائی جاتی ہے اور اُسے سفید رنگ لگایا جاتا ہے جس سے گیند دور سے نظر آتی ہے اس روایتی کھیل میں کھلاڑی تیز وطرار گھوڑے لیکر حاضر ہوتے ہیں اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے گیند کو گول پوسٹ میں داخل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ اس گول پوسٹ میں ایک گول کیپر بھی ہوتا ہے جو گول کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے ۔ اگر گیند گول پوسٹ سے باہر چلی گئی تو اُسے فول قرار دیا جاتا ہے ۔

جس سے شینا زبان میں "مُملدر" کہتے ہیں۔اس صورت میں مدِ مقابل ٹیم کو ایک فری ہٹ مل جاتی ہے۔گول ہونے کی صورت میں دونوں ٹیمیں اپنے اپنے مقام بدل لیتے ہیں۔یعنی جو ٹیم اوپر کی طرف کھیلتی تھی اب اُسے نیچے کی طرف کھیلنا ہوتا ہے اور جو ٹیم نیچے کی سمت کھیلتی تھی اب اُسے اوپر کی طرف کھیلنا ہوتا ہے۔اس دوران ایک شخص بال کو ہاتھ میں اُٹھائے گھوڑے کو تیز دوڑاتا ہے اور میدان کے وسط میں پہنچ کر بال کو اُچھال کر ہاکی سے ٹھوکر لگالیتا ہے۔ کبھی کبار بال ہاکی سے ٹکرائے بغیر نیچے گر جاتی ہے اور کبھی بال زوردار ہٹ کے ساتھ کافی دور چلی جاتی ہے۔

جب کھلاڑی بال ہاتھ میں اُٹھائے ہٹ مارنے کے لیے دوڑتا ہے تو سازندے مخصوص دھن بجا کر ماحول کو خوبصورت اور پُر کشش بناتے ہیں۔اس مخصوص ساز کو ہریپ کہتے ہیں۔کھیل کے دوران جب وقفہ لیا جاتا ہے تو اس دوران موسیقار

خوبصورت دھن بجاتے ہیں اور شوقین لوگ میدان کے بیچوں بیچ بیخود ہو کر ناچنا شُروع کرتے ہیں۔

کھیل شُروع ہونے سے پہلے ہی سازندے ڈھول ڈبن اور سُرنائی لے کر حاضر ہو جاتے ہیں اور جب بھی کوئی بڑ آدمی میدان کی طرف نکلتا ہے تو اُس کی سواگت کے لیے ایک مخصوص دُھن بجا کر اُس کا استقبال کیا جاتا ہے

ہارس پولو کا یہ گیم اگست یا ستمبر کے مہینے میں کھیلا جاتا تھا۔کبھی کُبار اس کھیل کے مقابلے جولائی کے مہینے میں بھی منعقد ہوتے تھے۔اس کھیل کو دیکھنے کے لیے گاوں کے مرد عورتیں بچے بوڑے سبھی جاتے تھے اور اس کھیل سے لُطف اندوز ہوتے تھے۔لڑکے اور لڑکیاں شور مچا کر کھلاڑیوں کو جوش دلاتے تھے اور کھلاڑی اپنے ہُنر کا مظاہرہ کرتے تھے۔ ہر گاوں میں شگارین یا چوگان بازی کا میدان موجود ہے۔

اس روایتی کھیل کے قوانین بھی ہٹ کر ہوتے تھے۔کوئی بھی کھلاڑی اپنے ہاکی کو سر کے اوپر سے گُما کر ہٹ مار سکتا تھا۔لیکن دوسرے کھلاڑی کے سٹک کو اپنی سٹک سے پکڑ لینا یا اُس کے گھوڑے کے آگے سے اپنا گھوڑا نکالنے کی اجازت نہیں تھی اور اُسے فول خیال کیا جاتا تھا۔اس کے علاوہ گول ہونے کے بعد بال ہاتھ میں اُٹھا کر تیز دوڑا جاتا تھا۔اور میدان کے بیچ میں پہنچ کر ہٹ کیا جاتا تھا۔اس کے علاوہ گول ہونے کے بعد سائیڈ یک دم بدل دئے جاتے تھے۔انٹرنیشنل پولو کے قوانین اس سے ہٹ کر تھے۔یہاں ہاکی کو سر کے اوپر سے گھمانا فول خیال کیا جاتا تھا۔لیکن

اپنے ہاکی کا ٹیک بنا کر دوسرے کے ہاکی کو روکنا یا اُسے کسی بھی طرح بال لینے سے روک لینے کی اجازت ہوتی ہے۔ یہاں پہ نصف وقفے تک سائیڈ نہیں بدلی جاسکتی ہے۔

انٹرنیشنل ہارس پولو میں صرف چار چار کھلاڑی ہوتے ہیں یہاں پورے کھیل کے دوران تین وقفے لیے جاتے ہیں۔ یعنی ہر دس منٹ کے کھیل کے بعد پانچ منٹ کا وقفہ ہوتا ہے۔

زمانے قدیم میں چوگان بازی کے لیے مخصوص گھوڑے خریدے جاتے تھے۔ زنسکار کے گھوڑے بہت ہی مشہور ہوتے تھے۔ان گھوڑوں کو منہ مانگے دام دیکر خریدے جاتے تھے۔سفید رنگ کے گھوڑے اکثر پسند کئے جاتے تھے۔ تیز دوڑنے والے گھوڑے کی بہت تعریف ہوتی تھی۔اور جس کھلاڑی کا گھوڑا دوڑنے میں تیز ہوتا تھا اُسے کھیلنے میں بہت آسانی ہوتی تھی۔کھلاڑی اکثر چابک کو اپنے کمر کے ساتھ باندھے رکھتے تھے۔ جو کھلاڑی گھوڑے کو چابک سے پیٹتا اُسے ادنیٰ کھلاڑی مانا جاتا۔ گویا اس کھیل میں کھلاڑی کے ساتھ ساتھ اچھا گھوڑا بھی اچھے کھیل کا مظاہرہ کرتا تھا۔کبھی کبھی گھوڑا بھی اس کھیل کے مزاج کو سمجھ جاتا تھا اور بال کا پیچھا کر لیتا تھا۔کبھی کبھار کھلاڑی اپنے گھوڑے کی تعریف کرتے ہوئے کہتا کہ میرے گھوڑے نے گول پوسٹ کے قریب بال کو پیر سے ٹھوکر مار کر گول پوسٹ میں داخل کر دیا۔یا میرے گھوڑے نے گیند کو منہ میں اُٹھا کر دور تک بھاگ گیا۔ایسا کبھی کبھی ممکن بھی ہوتا تھا لیکن اکثر ایسے واقعات منعقد نہیں ہوتے تھے۔

جدید دور کی مصروف زندگی میں ہارس پولو کا کھیل بھی تقریباً دم توڑ رہا ہے آج نہ تو لوگوں میں گھوڑے پالنے کا شوق ہے نہ ہارس پولو کھیلنے کا ٹائم لیکن پھر بھی چند لوگ اس کھیل کو زندہ رکھنے کے لئے جی توڑ کوشش کر رہے ہیں۔جن میں محمد امین پولو کا نام نہ لیا جائے تو بہت بڑی ناانصافی ہوگی

محمد امین پولو نے ہارس پولو کے اس گیم کو پھر سے زندہ کرنے کے لیے انتھک کوششیں کی ہیں۔اُنہوں نے پہلی بار اس کھیل کو ملکی وغیر ملکی سطح پر تعارف کرایا۔جس کے بعد دراس میں للت سُوری کپ اور چیف منسٹر ہارس پولو کپ کے مقابلے ہر سال منعقد ہوتے تھے۔للت سوری کپ کے مقابلے میں شرکت کرنے کے لئے ہندوستان اور بیرون

ہندوستان کی ٹیمیں بھی دراس پہنچ جاتی تھیں ۔للت ہاسپٹلٹی گروپ کی چیر پرسن میڈیم جوتسنا سوری اس دوران خود بنفس نفیس حاضر رہتی تھیں ۔اس کے علاوہ ہر سال یہاں کی ٹیمیں منگولیا، منی پور اور بھوٹان بھی جایا کرتی تھیں ۔ان مقابلوں کو دیکھنے کے لیے ملک کے نامور لوگ دراس پہنچ جاتے تھے ۔جن میں ریاست کے وزیر اعلیٰ عمر عبدُ اللہ، اور ایم پی اور نیشنل فلیگ فاونڈیشن کے صدر نوین جنڈال نے بھی شرکت کی جو خود بھی ایک اچھے پولو کھلاڑی ہیں ۔ اس دوران للت سوری ہاسپٹلٹی گروپ کی طرف سے کھلاڑیوں اور تماشائین کے لئے کھانے کا بندوبست بھی ہوتا تھا۔ اس دوران کھلاڑیوں کو انعامات سے بھی نوازا جاتا تھا۔اور تیز وطرار گھوڑے کو انعام کے علاوہ القاب سے بھی نوازا جاتا تھا۔للت سوری کے ان مقابلوں سے دراس میں پہلی بار انٹرنیشنل ہارس پولو متعارف ہوا اور اس سے بین الاقوامی سطح پر اس کھیل کے اُصول وضوابط سے بھی آشنائی ہوئی ۔یہی نہیں باہر کے لوگ بھی یہاں کے روایتی کھیل سے لُطف اندوز ہوئے جس کو کھیلنے کے اپنے قاعدے قانون تھے۔

للت سوری کپ دراس میں سال 2009 سے سال 2013 تک کھیلا گیا۔اس دوران پولو میں چیف منسٹر ہارس پولو کپ بھی ہر سال کھیلا جاتا ہے اس کے لیے ریاستی سطح پر امداد مہیا کی جاتی ہے ۔

اس دوران پولو اتنا مشہور رہا تھا کہ پولو مقابلے لیہہ ، دلی اور سرینگر میں بھی منعقد ہونے لگے ۔سرینگر میں 1947 کے بعد 2007 میں یعنی ساٹھ سال کے بعد کشمیر فیسٹول کے دوران ہارس پولو مقابلہ منعقد ہوا تھا۔اس کے علاوہ منی پور میں ہر سال گورنر کپ منعقد ہوتا ہے ۔

لیکن کئی بار پولو کا یہ کھیل سیاست کا شکار رہا۔اور اس وقت حالت یہ ہے کہ للت سوری کپ مکمل طور بند ہو چکی ہے اور سی ایم کپ بھی اپنی آخری سانسیں لے رہا ہے۔لیکن ایک خوشی کی بعد یہ ہے کہ گوشن کے مقام میں ایک انٹرنیشنل لیول کا ایک پولو گراونڈ تعمیر ہو چکا ہے۔

ٹھوپے (ہاکی)

یہ کھیل بھی بہت ہی مشہور تھا۔اتنا مشہور کہ چھوٹے بچے برف نکلنے سے پہلے ہی ہاکی کا انتظام کر لیتے تھے۔اس کھیل

میں ہاکی مقامی طور تیار کی جاتی تھی اس کے علاوہ بال بھی اپنے طور تیار کی جاتی تھی ۔کھلاڑیوں کی تعداد کم سے کم آٹھ اور زیادہ سے زیادہ گیارہ ہوتی تھی ۔دو پتھر رکھ کے گول پوسٹ تیار کی جاتی تھی ۔یہاں بھی ہاکی کو سر کے اوپر سے گھما کر ہٹ ماری جاتی تھی ۔اور جہاں بھی چاہے زوردار ہٹ ماری جاسکتی تھی اس کھیل میں بین الاقوامی ہاکی کے اُصول نہیں لگتے تھے ۔یہاں بھی گول ہونے کے بعد اطراف بدل دئے جاتے تھے ۔گول کو یہاں کی مقامی زبان میں بُلہ کہا جاتا ہے ۔زمانے قدیم میں بڑے چھوٹے بوڑھے جوان سارے اس کھیل کو بڑے شوق سے کھیلتے تھے ۔گیند مقامی طور چمڑے سے تیار کی جاتی تھی ۔یہ کھیل اکثر فصل کٹائی کے بعد کھیلا جاتا تھا۔اس کھیل میں بھی تماشائین کی بڑی تعداد حصہ لیتی تھی ۔

کھیل میں کھلاڑیوں کے لیے کسی قسم کی وردی نہیں ہوتی تھی ۔لیکن لوگ مقامی لباس پہن کر حاضر ہوتے تھے ۔جن میں سفید رنگ کا کشمیری فرن جیسی قمیض جس کے گرد لوکل کمر بند (کسکی) باندھی جاتی تھی ۔پیروں میں لوکل اونی جوتے ۔سفید پٹو کا بنا پائجاما ۔اور سر میں سفید رنگ کی پگھڑی ہوتی تھی ۔

دورِ حاضر میں یہ گیم مکمل طور ختم ہوچُکا ہے ۔اس کھیل کا کوئی مقابلہ منعقد نہیں ہوتا ۔نہ اس کھیل کو مقامی لوگ شوقیہ طور سے کھیلتے ہیں ۔اب یہ کھیل پوری طرح ختم ہوچُکا ہے ۔

ٹھیلے (گُلی ڈنڈا)

یہ کھیل بھی بڑے شوق سے کھیلا جاتا ہے ۔اس کھیل میں ایک گُلی اور ایک ڈنڈا ہوتا ہے ۔ایک مناسب دائیرہ بنایا جاتا ہے ۔دائیرے کے وسط میں دو پتھر اس طرح رکھے جاتے ہیں کہ چولہے کی طرح اس کے اوپر گُلی رکھی جاسکے ۔اس کے بعد کھلاڑی ڈنڈے سے گُلی کو اُچھال کر مار دیتا ہے اور گُلی دور چلی جاتی ہے ۔جس کے بعد دوسرے کھلاڑی گُلی کو اُٹھا کر پھینک دیتے ہیں اگر گُلی دائیرے کے اندر جائے تو

کھلاڑی آوٹ ہوجاتا ہے ۔دائیرے کے اندر موجود کھلاڑی اپنے ڈنڈے کی مدد سے گُلی کو اندر آنے سے روک دیتا ہے ۔اگر گُلی دائرے کے اتنے قریب آئے کہ فاصلہ دائرے میں موجود کھلاڑی کے ڈنڈے سے کم رہا ہو تو بھی

کھلاڑی کو آوٹ قرار دیا جاتا ہے اگر اندر موجود کھلاڑی اپنے ڈنڈے سے گُلی کو دور بھگائے تو اپنے ڈنڈے سے گُلی کی دوری کے فاصلے کو ناپ لیتا ہے۔اور یہی اُس کا اسکور ہوتا ہے۔اس کی گنتی بھی عام گنتی سے مختلف ہوتی ہے جو کچھ اس طرح شُروع ہوتی ہے۔

برکت، دوٗ، پچے، چار ،پوُنش ،شا، ست، انشٹ، نَو، دیَ، اکائی، بوائی، پچوئیں ،چونگلوئی، بونگلوئی، اُسوئی، ممگوری۔

یعنی ستاراں تک گنتی ہوتی تھی اس کے بعد گنتی بدل دی جاتی تھی۔یعنی برکت سے پھر شُروع ہوتی اور ممگوری پر جا کر ختم ہوجاتی۔ جب تک کھلاڑی آوٹ نہ ہوجاتا گنتی چلتی رہتی تھی۔

ڈک

یہ ایک انڈ ور گیم ہوتا تھا۔اسے گھر کے اندر یا باہر کہیں بھی کھیلا جا سکتا تھا۔اس میں محنت مشقت کم اور دماغی صلاحیت زیادہ استعمال ہوتی تھی۔اس میں دو یا چار کھلاڑی حصہ لیتے تھے۔یہ گیم کہیں طرح کا ہوتا تھا۔اس میں ایک کھلاڑی پتھر استعمال کرتا تو دوسرا لکڑیاں۔ان پتھر یا لکڑیوں کو کھلاڑی بکریاں کہتے تھے۔ڈِک کئی طرح کے ہوتے تھے۔جن میں سولہ ڈِک ،نوڈِک، چار ڈِک، اور دو ڈِک مشہور ہیں۔

سولہ ڈِک

اس ڈِک کو کم سے کم دو آدمی یا زیادہ سے زیادہ چار آدمی کھیل سکتے ہیں۔جب دو آدمی کھیلتے ہیں تو ہر کھلاڑی سولہ سولہ بکریاں استعمال کرتا ہے۔جب چار آدمی کھیلتے ہیں تو ہر کھلاڑی آٹھ آٹھ بکریاں استعمال کرتا ہے۔جب دو آدمی کھیلتے ہیں تو چکور نما ڈک کے ساتھ دو مثلث کھینچے جاتے ہیں۔جب چار آدمی کھیلتے ہیں تو چار مثلث کھینچے جاتے ہیں۔جب تمام کھلاڑی اپنی اپنی بکریاں قرینے سے سجاتے ہیں تو اس کے بعد کھلاڑیوں کو باری باری اپنی بکریوں کو آگے بڑھانا پڑتا ہے۔دو بکریوں کے بیچ خالی جگہ نہیں رہنی چاہیے۔اگر ایسا ہوا تو مخالف کھلاڑی بکری کو فلانگ کر اپنی بکری اُس خالی جگہ میں پہنچا دیتا ہے اس طرح مخالف کھلاڑی کی ایک بکری ہلاک سمجھی جاتی ہے اور اُسے باہر نکالنا پڑتا ہے۔کھلاڑی ایک دوسرے کی زیادہ سے زیادہ بکریاں ہلاک کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔آخر کار جب مخالف کھلاڑی کی

بکریاں ہلاک ہو جاتی ہیں اور آخری بکری بچتی ہے تو اُس بکری کو ہلاک کرنے کی اجازت نہیں ہوتی ہے بلکہ اُس بکری کو چاروں طرف گھیرا لگا کر بند کرنا پڑتا ہے۔جس کے لیے مخالف کھلاڑی کو سخت محنت بھی کرنی پڑتی ہے۔لیکن اس کشمکش کے دوران اس اکیلی بکری کو بھی دوسرے کھلاڑی کی اکیلی بکری کو ہلاک کرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ دو بکریاں اگر ساتھ ملیں تو اُنہیں ضرور ہلاک کر سکتی ہیں۔

نوڈِک

یہ ڈِک بھی بہت مشہور تھی۔اور بڑے جوش وخروش سے کھیلا جاتا ہے۔اس ڈک میں ہر کھلاڑی نو بکریاں استعمال کر سکتا ہے۔اس ڈک کا اُصول یہ ہے کی جب تین بکریاں ایک ہی سیدھ میں آجاتی ہیں تو مخالف کھلاڑی کی ایک بکری ہلاک مانی جاتی ہے اس طرح ایک ایک کر کے مخالف کھلاڑی کی بکریوں کو ہلاک کرنا پڑتا ہے۔جب آخری بکری بچتی ہے تو اُسے بھی کہیں لے جا کے بند کرنا پڑتا ہے۔اس ڈِک کو صرف دو آدمی کھیل سکتے ہیں۔

چار ڈک

اس قسم کے دو ڈک ہوتے ہیں۔ایک ستارے کی مانند ہوتا ہے جسے تارو ڈِک کہا جاتا ہے۔اور دوسرا مستطیل کی شکل کا ہوتا ہے جس کے بیچ لکیریں کھینچی جاتی ہیں۔ان دونوں میں بکریوں کو ہلاک کرنا پڑتا ہے اور آخر میں بچنے والی بکری کو کہیں کسی کونے میں پھنسانا پڑتا ہے۔اس ڈک میں دو بکریوں کے بیچ خالی جگہ چھوڑنا نہیں ہوتا ہے اس سے مخالف کھلاڑی کی بکری اُس خالی جگہ گھسنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔جس دوسری بکری کو ہلاک سمجھا جاتا ہے۔

دو ڈک

اس ڈک کو دو آدمی کھیلتے ہیں۔اس ڈِک میں صرف دو دو بکریاں استعمال ہوتی ہیں۔اس ڈک میں بکریوں کو کھانے کے بجائے اُنہیں کئی بند کیا جاتا ہے۔

اب وقت کے ساتھ ساتھ ڈک کا یہ گیم بھی اپنے خاتمے کی طرف بڑھ رہا ہے اس کی سب سے بڑی وجہ موبائیل میں کھیلے جانے والے گیم ہیں۔جنہیں انسان آسانی سے کھیل سکتا ہے۔اس کے لیے کسی کھلاڑی کی بھی ضرورت نہیں نہ

کسی سامان کی۔

اس کی دوسری وجہ انڈور گیمس کی بھر مار بھی ہے۔ کچھ بھی ہو لیکن پُرانے زمانے میں ان کھیلوں کی اپنی ایک الگ اہمیت تھی اور لوگ ان کھیلوں میں بڑے ماہر ہوتے تھے

علیو کی

یہ کھیل بھی بڑے شوق سے کھیلا جاتا تھا۔اس کھیل کو کھیلنے کے لیے ایک لکڑی کے ڈنڈے کی یا ایک رسی کی ضرورت پڑتی تھی۔جس کو دو گُروپ آپس میں کھینچتے تھے۔جو گروپ اس رسی کو کھینچ کر اپنے حریف کو ہراتا اُس کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔یہ کھیل دو آدمی ایک لکڑی کے ڈنڈے سے بھی کھیلتے تھے اور ایک دوسرے کو ہرانے کی کوشش کرتے تھے۔

سلامو

یہ کُشتی کا کھیل ہوتا تھا۔جس کو یہاں کے لوگ بڑے شوق کے ساتھ کھیلتے تھے۔اس کھیل کے ذریعے اکثر اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا جاتا تھا۔جیتنے والے کھلاڑی کا چرچا کافی دیر تک کیا جاتا تھا۔کبھی کُبار کمزور کھلاڑی بھی جیت جاتا تھا۔لیکن اس میں وہ اپنی طاقت کا کم اور چالاکی یا دھوکے کا زیادہ استعمال کرتا تھا۔

ٹھاکورے

یہ ایک کھیل ہوتا تھا جو لڑکیاں زیادہ کھیلتی تھیں یہ کھیل آج بھی بڑے شوق کے ساتھ کھیلا جاتا ہے اس میں پانچ گول چھوٹے پتھر استعمال کئے جاتے ہیں جس میں ایک پتھر کو اُچھال کر پہلے ان پتھروں کو ایک ایک کر کے اپنی مُٹھی میں اُٹھایا جاتا ہے۔جس کو ایک ایک کہتے ہیں۔اس کے بعد ان کی جوڑی بنا کر اُٹھایا جاتا ہے جسے دُودُو کہتے ہیں۔اس کے بعد چاروں کو ایک ساتھ اُٹھایا جاتا ہے جسے ژوپی کہتے ہیں۔اس کے بعد تمام پتھروں کو انگلیوں کی پیٹھ پہ اُٹھا کر اُچھالا جاتا ہے اور ہاتھ سے لپک کر پکڑلیا جاتا ہے جسے کراپی کہتے ہیں۔اس دوران جتنے پتھر پکڑ میں آئیں اتنا ہی اسکور گنا جاتا ہے۔اُس پتھر کو جو بار بار اُچھالا جاتا ہے اُسے دادی کہتے ہیں۔اگر اُچھالنے والا پتھر اس دوران کہیں گر جائے تو اُسے آووٹ مانا جاتا ہے۔

چپائی (دھاگے کا کھیل)

یہ ایک کھیل ہوتا ہے جو دھاگے سے کھیلا جاتا ہے۔اس کھیل کو کھیلنے کے لیے دو لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے۔دھاگے کے دونوں سروں کو ایک کر کے گانٹھ لگائی جاتی ہے اس کے بعد اس دھاگے کو اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں اس طرح اُٹھایا جاتا ہے کہ کھاٹ کی شکل بن جاتی ہے۔اس کے بعد دوسرا شخص اس دھاگے کو اس طرح اپنے ہاتھ میں اُٹھاتا ہے کہ دھاگا کھڑکی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔اس کے بعد پہلا شخص اس دھاگے کو اپنے مخصوص انداز سے اُٹھاتا ہے کہ ٹوکری کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔اس کے بعد پھر پہلا شخص اس دھاگے کو اپنے ہاتھ میں اُٹھاتا ہے کہ دھاگا پھر سے کھاٹ کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اسطرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔اگر کہیں کسی نے دھاگے کو غلط اُٹھایا تو اُسے ہار کا مُنہ دیکھنا پڑتا ہے۔

پیسے

اس کھیل میں لوہے کے یا چاندی کے پیسوں کا استعمال ہوتا تھا۔کھلاڑیوں کی کوئی مقرر تعداد نہیں ہوتی تھی اس کھیل میں زمین میں ایک چھوٹا سا گڑھا بنایا جاتا تھا اس کے بعد کھلاڑی ایک مخصوص دوری سے پیسہ اُچھال کر پھینکتے تھے جو پیسہ اس چھوٹے گڑھے کے اندر پھنس جاتا وہ اُس کھلاڑی کا بن جاتا تھا۔اس کے بعد دوسرے کھلاڑی اُسے ایک پیسے کی نشاندھی کرتے تھے۔جس پر اُسے ایک کول پتھر سے ہٹ کرنا پڑتا تھا۔اگر کھلاڑی صحیح پیسے کو ہٹ کر پاتا ہے تو اس کھیل میں موجود تمام پیسے اُس کے ہو جاتے ہیں۔اگر اُس نے کسی غلط پیسے پر ہٹ کیا تو اُسے ایک سکہ بطور جرمانہ کھیل کے میدان میں اُتارنا پڑتا تھا۔اس کھیل میں استعمال ہونے والے پتھر کو شینا زبان میں 'دَٹ' کہتے ہیں۔جبکہ چھوٹے گڑھے کو 'ڈوکی' کہتے ہیں۔

جدید کھیل

بدلتے وقت کے ساتھ ساتھ یہاں کے نوجوانوں کا رجحان جدید کھیلوں کی طرف چلا گیا ہے اب یہاں پہ کرکٹ، آئس ہاکی، تیراندازی، کبڈی، والی بال، فُٹ بال وغیرہ بڑے جوش وخروش کے ساتھ کھیلا جاتا ہے۔یہاں پہ کرکٹ اور آئس ہاکی کے بڑے بڑے ٹورنامنٹ منعقد ہوتے ہیں۔یہاں کے کھلاڑی آئیس ہاکی کے ٹورنمنٹ کھیلنے کے لیے

ملکی اور غیر ملکی سطح پر بھی اپنا لوہا منوا چکے ہیں اسی طرح تیر اندازی میں بھی یہاں کے کھلاڑی ملکی سطح میں اپنے ہُنر کا مظاہرہ کر چکے ہیں ۔اس کے علاوہ مارشل آرٹ (کراٹے) میں یہاں کے کھلاڑیوں نے ریاست کی نمائیندگی کرتے ہوئے سونے کا تمغہ، چاندی کا تمغہ اور کانسے کا تمغہ حاصل کرنے

والے کھلاڑی بھی موجود ہیں۔

کتابیات

اے ہسٹری آف لداخ	اے ایچ فرینکی
دردستان	ڈاکٹر جی ڈبلیو لٹنر۔
تاریخ اقوم دردستان وبلورستان	عبدالحمید خاور
فولک لور آف گلگت	غلام محمد
جموں کشمیر میں آباد شین دردوں کی مختصر تاریخ	رضا امجد بڈگامی
قدیم لداخ	کاچو سکندر خان سکندر
شینا زبان وادب کی تاریخ	مختار ذاہد بڈگامی
ٹرائبس آف ہندوکش	جان بڈلف